ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۸ / اگست ۱۹۹۵ء

☆ جمہوریت ----- ایک سراب!
☆ مہاجروں کے علیحدہ صوبہ ----- کیوں؟
☆ کراچی کے عوام کو سیاسی دھارے سے الگ کیا جا رہا ہے؟

حدیثِ امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

انسانی حقوق !

دس روز قبل روزناموں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت نے وفاقی سطح پر انسانی حقوق کی وزارت قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ خبر پڑھتے ہی ذہن میں سوال ابھرا کہ اگر نئی وزارت کا کام انسانی حقوق کی دیکھ بھال کرنا ہے تو پہلے سے قائم بیسیوں وزارتیں کن کے حقوق کی نگہداشت کرتی ہیں۔ ابھی کوئی معقول جواب سامنے نہ آپایا تھا کہ دو تین روز قبل شائع ہونے والی ایک خبر نے عقدہ حل کر دیا۔ خبر یہ تھی کہ امریکہ میں پاکستان کی سابق سفیر بیگم سیدہ عابدہ حسین کو نواز شریف دور میں پٹہ پر دی جانے والی 597 ایکڑ (24 مربعے) اراضی ڈپٹی کمشنر جھنگ اور بورڈ آف ریونیو پنجاب نے مزید پانچ سال کے لئے پٹہ پر دے دی ہے۔ تب معلوم ہوا کہ پہلے سے قائم شدہ وزارتیں تو امراء، وزراء اور سیاست دانوں کے حقوق کی رکھوالی کرتی ہیں۔ شاید اسی لئے حکومت کو سوجھی کہ علیحدہ سے ایک وزارت انسانی حقوق کے نام پر قائم کر دی جائے تاکہ اگر کسی (غریب) انسان کو کبھی کوئی شکایت منہ پر لانے کی جرات ہو بھی جائے تو یہ نئی وزارت نظرثانی کی آڑ میں پہلے حکم پر ص (صحیح) کرتے ہوئے اس (غریب) انسان کی شکایت کو اعتماد کے ساتھ مسترد کر سکے۔ اس سے حکومت کو دو فائدے حاصل ہو سکیں گے۔ ایک یہ کہ آئندہ کوئی (غریب) انسان کسی بڑے کے معاملہ میں سوچ سمجھ کر ہی شکایت کرنے کی جرات کرے گا اور دوسرا یہ کہ بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کی وزارت کے قیام سے واہ واہ ہو جائے گی اور جو، جتنی اور جیسی مراعات اس نام سے پاکستان میں غیر سرکاری تنظیمیں (NGOs) اپنے بین الاقوامی آقاؤں سے وصول کرتی ہیں وہ حکومتی وزارت کے ہاتھ لگ سکیں گی۔ ویسے بھی ایک آدھ کے سوا باقی تنظیموں کا اصل مقصد تو گزارہ الاؤنس ہی ہوتا ہے۔ انہیں انسانی حقوق کی پامالی صرف اس وقت دکھائی دی جب ایک عیسائی گستاخ رسول کو موت کی سزا ہوئی۔ اس کے علاوہ تو وہ پاکستان میں سب اچھا جانتے ہیں۔ یہی حال ہم سب کا ہے۔

مملکت خداداد پاکستان میں انسانی حقوق کی اصطلاح کا استعمال عام ہے۔ جن کے حقوق پامال ہوتے ہیں وہ تو اس کا شکوہ کریں مگر جو دیدہ و دانستہ دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں وہ بھی پوری ڈھٹائی سے انسانی حقوق کی پاسداری کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ حقوق العباد کے بارے میں قرآن مجید میں واضح آیات محکمات موجود ہیں مگر اکثریت انہیں صرف خوش الحانی سے تلاوت کرنے پر ہی اکتفا کرتی ہے۔ حجتہ الوداع کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ انسانی حقوق کا چارٹر ہے۔ مگر اس کا حوالہ بھی تقاریر و تحریر کی زینت کے طور پر ہوتا ہے۔ وطن عزیز کا (غریب) انسان دانشوروں سے، انسانی حقوق کی تنظیموں سے، حتیٰ کہ دینی جماعتوں کے اکابرین سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ آپ نے انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے عملی طور پر کیا جدوجہد کی۔ کیا تعلیم، علاج، روٹی، کپڑا، مکان، عزت نفس اور جان و مال کی حفاظت ہر انسان کے بنیادی حقوق نہیں ہیں؟ تو پھر کیا وجہ ہے کہ پلاٹ ملیں تو امراء کو، بچے پڑھیں تو امراء کے، سرکاری ہسپتالوں میں مفت علاج ہو تو بڑوں کا، مکان مفت رہنے کو ملیں تو وزراء کو، غرضیکہ دنیا کی ہر سہولت میسر ہو تو امیروں کو!

کیا گندے نالوں کے کنارے زندگی بسر کرنے والے، بوسیدہ مکانوں کی چھت گرنے سے ہلاک ہونے والے، کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے چیتھڑے اور کاغذ کے ٹکڑے چن کر پیٹ کی آگ بجھانے والے، غلاظت بھرے کنوؤں میں غوطہ لگا کر پانی کھینچنے والے پمپ کی جالی پر سے پلاسٹک کے چپکے ہوئے لفافے ہٹانے والے، تکہ کباب کی دکانوں پر امراء کے پھینکے ہوئے گوشت کے ٹکڑے اٹھا

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

قیمت : ۶ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الھدیٰ

یقیناً جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے' پھر اس پر قائم ہو گئے'

(کہ اللہ کی ربوبیت کے اقرار کے بعد دل کا اس حقیقت پر ٹھک جانا اور اس پر قائم رہنا ہی تو سب سے مشکل بات ہے' اور جو کوئی راضی برضائے رب ہو جائے' ایمان کی مٹھاس اور حلاوت اسی کو نصیب ہوتی ہے)

ان پر نازل ہوتے ہیں فرشتے کہ مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور بشارت لو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا○

(ایسے اصحاب ایمان و یقین کو اس دنیا میں فرشتوں کی معیت حاصل ہوتی ہے' جو پیہم ان کی ہمت بندھاتے' تسلی دیتے اور انہیں جنت کی خوشخبری سناتے رہتے ہیں)

ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی

(اور ان فرشتوں کی رفاقت کے باعث اس دنیا میں اہل ایمان مصیبت و آزمائش کی گھڑیوں میں طمانیت قلبی کی لذت سے شاد کام ہوتے ہی ہیں' آخرت کے مشکل تر مراحل میں بھی انہیں فرشتوں کا ساتھ اور ان کی تائید حاصل رہے گی)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اور تمہارے لئے اس میں موجود ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہے جو تم طلب کرو گے○

(کہ وہ اہل ایمان جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفس کے منہ زور گھوڑے کی باگ کھینچ کر رکھی' اللہ کی جناب سے ان کا صلہ اس سے کم کیا ہو سکتا ہے کہ آخرت میں ان کی ہر خواہش بھرپور انداز میں پوری کی جائے اور جو کچھ وہ طلب کریں مہیا کر دیا جائے)

یہ مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے○

(نزل وہ ابتدائی خاطر تواضع ہے جس سے مہمانداری کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ بھی اگر غفور اور رحیم پروردگار کی طرف سے ابتدائی استقبالیہ ہے تو اہل ایمان کو بطور انعام جو کچھ ملنے والا ہے اور پروردگار کی جو عنایات ان کی منتظر ہیں' ان کا تصور کس کے لئے ممکن ہے!)

(سورۃ حم السجدہ : آیات ۳۰ تا ۳۲)

جوامع الکلم

"کہہ دو کہ میں ایمان لایا اللہ پر' پھر اس پر جم جاؤ"

(کی فی الواقع مطلوب تو یہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد دین کا جو تقاضا بھی سامنے آئے' اللہ اور رسولؐ کا جو فرمان بھی کان میں پڑے' پوری خوشدلی سے اسے پورا کیا جائے' اطاعت کا حق ادا کیا جائے اور کسی بھی مرحلے پر قدم پیچھے نہ ہٹنے پائیں' یہی استقامت تو ایمان کا اصل امتحان ہے)

(صحیح مسلم و جامع ترمذی)

"اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو راضی ہو گیا اس بات پر کہ اللہ اس کا رب ہے' محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام ہی سچا دین ہے"

(حلاوت ایمانی سے حصہ اسی کو ملتا ہے جسے اللہ کی ربوبیت پر اعتماد ہو' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو اور اسلام کی حقانیت کی شہادت وہ صرف زبان ہی سے نہ دیتا ہو' یہ گواہی اس کے دل کی آواز اور عمل کا مدار بھی بن چکی ہو)

(صحیح مسلم)

3-8-95

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ندائے خلافت

ہفت روزہ — لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۴ شمارہ ۳۲

۸ / اگست ۱۹۹۵ء

9

مدیر : حافظ عاکف سعید

معاون مدیر : نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات

تحریکِ خلافت پاکستان

۴۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون : ۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ : -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

"ندائے خلافت" کے بانی مدیر اقتدار احمد مرحوم کی حیات میں جو آخری پرچہ ان کے زیر ادارت شائع ہوا اس پر ۲۱/ مارچ ۹۵ء کی تاریخ درج تھی، اور زیر نظر شمارے پر جسے ان کی وفات کے بعد شائع ہونے والا پہلا معمول کا شمارہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے (کہ اس سے قبل ۱۱/ جولائی کا ندائے خلافت خصوصی نمبر کے طور پر شائع ہوا تھا) ۸/ اگست کی تاریخ مرقوم ہے گویا قریباً ساڑھے چار ماہ کے تعطل کے بعد "ندائے خلافت" نے از سرنو اپنے سفر کا آغاز کیا ہے۔ اس مرحلے پر راقم اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ ادارت کی جو ذمہ داری اس کے ناتواں کاندھوں پر ڈالی گئی ہے وہ ہرگز اس کا اہل نہیں ہے، بالخصوص اس تناظر میں کہ مرحوم اقتدار احمد کو اللہ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، انہیں زبان و قلم پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی، ان کا تجربہ نہایت وسیع اور مشاہدہ نہایت عمیق تھا، ملکی و بین الاقوامی معاملات کی سوجھ بوجھ اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی ان کا ایک خاص مقام تھا، اور انہوں نے ان تمام اوصاف اور صلاحیتوں کو "ندائے خلافت" کے صفحات میں گویا انڈیل دیا تھا، جبکہ راقم ان تمام اعتبارات سے طفل مکتب کہلانے کا بھی اہل نہیں ہے۔ تاہم اللہ کی تائید و توفیق، رفقاء کار کے تعاون اور قارئین کی دعاؤں کے سہارے اس بھاری ذمہ داری کو نبھانے کا عزم کیا ہے، اس معاملے میں اس شدت احساس کو بھی دخل ہے کہ "ندائے خلافت" کی شکل میں مرحوم نے جس شمع کو روشن کیا تھا اسے کسی نہ کسی درجے میں روشن رکھنا بھی تو ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ بہرکیف، قارئین اگر ندائے خلافت کے سابقہ معیار کو ذہن میں رکھ کر آئندہ اس کا مطالعہ کریں گے تو انہیں یقیناً مایوسی ہوگی، تاہم ان کی دعائیں اگر ہمارے شامل حال رہیں تو یہ پرچہ کم تر معیار کے ساتھ ہی سہی، ان شاء اللہ اپنا تسلسل برقرار رکھ سکے گا اور اس نیک مقصد کی تکمیل میں جس کے لئے اس کا اجراء کیا گیا ہے، مفید خدمت سرانجام دینے کے قابل ہو سکے گا۔ اللھم وفقنا لھذا۔

زیر نظر شمارے میں جناب نجیب صدیقی کا مضمون "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" اس مرحلے پر ہمارے لئے ایک قیمتی اثاثے سے کم نہیں۔ صدیقی صاحب نے جو ہمارے بزرگ رفیق اور ندائے خلافت کے مستقل قلمی معاونین میں سے ہیں، اپنے مضمون میں جہاں ہماری ہمت بندھانے کا سامان کیا ہے وہاں کچھ مفید عملی مشورے اور اصولی ہدایات سے بھی ہمیں نوازا ہے جو یقیناً ہمارے لئے رہنما ثابت ہوں گے --- کراچی کے مسئلے پر کہ جو بلاشبہ پاکستان کا پیچیدہ ترین اور نہایت سلگتا ہوا مسئلہ ہے، ہمارے نمائندگان کراچی کے دو مضامین شامل اشاعت کئے گئے ہیں کہ جن میں اہل کراچی کے اصل مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے حالیہ خطاب جمعہ کے پریس ریلیز میں بھی مسئلہ کراچی کا حوالہ اور اس کے حل کے لئے ایک ٹھوس تجویز شامل ہے۔ "جمہوریت --- ایک سراب" کو بھی قارئین بہت دلچسپ اور معلومات افزا پائیں گے۔ آزادی کی اس نام نہاد نیلم پری کے اصل چہرے سے نقاب کشائی اس مضمون میں بہت عمدگی سے کی گئی ہے۔ ابلاغیات کے زیر عنوان کموڈور طارق مجید صاحب کا مضمون بھی بہت توجہ کے قابل ہے۔ ٹی وی اشتہارات میں مانع حمل تدابیر کے حوالے سے سرکاری سرپرستی میں بے حیائی کا فروغ جس طور سے ہو رہا ہے اس پر کموڈور صاحب کا مرثیہ نہایت مناسب اور برمحل ہے۔ ○○

مہاجروں کے لئے علیحدہ صوبے کا مطالبہ --- کیوں؟

میم سین' کراچی

ملکی سیاست پر مسلط طبقات سے عدل و قسط کی توقع عبث ہے

مہاجر صرف ایک صوبے کا مطالبہ کر کے اپنا مقدمہ کمزور کر رہے ہیں

"یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مہاجر قومیت کے نعرے نے مہاجروں کو فائدہ نہیں' نقصان ہی پہنچایا ہے"

پاکستان کا قیام اس لئے عمل میں لایا گیا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک ایسی مملکت میسر آ جائے جہاں وہ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ تب ہی ممکن تھا جب یہاں اول روز ہی اسلام کا نظام عدل اجتماعی نافذ کر دیا جاتا' لیکن یہ نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مملکت ایک قومی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی لہٰذا مسلمان قوم کے لئے ایک مملکت تو بن گئی' اسلامی مملکت نہ بن سکی۔ کسی اسلامی مملکت کا وجود تو اسلامی تحریک کے نتیجے میں قائم ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان چونکہ ایک جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا لہٰذا جمہوری نظام کو سینے سے لگایا گیا۔ جمہوری نظام کا سارا فائدہ چونکہ ملک کے جاگیرداروں' وڈیروں' سرمایہ داروں' سرداروں اور خوانین کے حق میں جاتا تھا لہٰذا اس ملک کی سیاست پر وہ لوگ چھا گئے۔ یہ وہ طبقات تھے کہ جن سے عدل کی توقع عبث تھی اور ہے۔ لہٰذا جمہوری نظام بھی محلاتی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ نتیجہ میں مارشل لاء کا سلسلہ شروع ہو گیا' جس کا حاصل ملک کی تقسیم تھا اور بقیہ حصہ میں بھی ہر طبقے میں احساس محرومی کی شدت موجود ہے۔ کہیں پختونستان کے قیام کا خدشہ ہوتا ہے تو کہیں سندھو دیش کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ ملک کا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو معماران وطن میں ایک اہم مقام پر فائز سمجھتا ہے' وہ بھی ایم۔ کیو۔ ایم کی صورت میں اپنے حقوق کے حصول کے لئے اٹھ کھڑا ہوا' اور ملک کے استحصالی طبقوں نے اسے اپنے رویوں سے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اس کے قائد کو عوام سے علیحدہ صوبے کے لئے مشورہ طلب کرنا پڑا ہے۔

علیحدہ صوبے کا مطالبہ نہ کوئی نیا مطالبہ ہے اور نہ ملک کے مفاد کے خلاف ہے۔ کراچی کی حد تک علیحدہ صوبے کی بات پہلے بھی ہوتی رہی ہے لیکن اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ موجودہ صورتحال خصوصاً تین سال سے زیادہ عرصے سے جاری ملٹری آپریشن کے تناظر میں اس مطالبہ کی نوعیت مختلف ہو چکی ہے۔ ارباب اقتدار کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر ملک سے انکی محبت واقعی ہے تو ان عوامل کو دور کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور فرمائیں' جس کے نتیجے میں یہ مطالبہ سامنے آیا ہے۔

"ایم کیو ایم کے قائدین نے سندھیوں کو اعتماد میں لے کر اگر حقوق کی مشترکہ جدوجہد کی ہوتی تو آج صورتحال یقیناً مختلف ہوتی کہ سندھ میں بھی ایسے طبقات موجود ہیں جن کا ظالمانہ استحصال ہو رہا ہے"

ملک میں موجودہ صوبے انگریزوں نے قائم کئے تھے۔ انکی اپنی حکمتیں رہی ہوں گی کیونکہ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند"۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ موجودہ صوبوں کی بنیاد بھی لسانیت پر ہی ہے۔ پنجاب میں پنجابی آباد ہیں تو سرحد میں پختون۔ سندھ میں سندھی ہیں تو بلوچستان میں بلوچی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایم۔ کیو۔ ایم نے مہاجر قومیت کا نعرہ لگایا تو سندھیوں کی جانب سے شدید ردعمل ہوا۔ کیونکہ انہیں یہ محسوس ہوا کہ صوبہ سندھ کا دعویدار مہاجر بھی ہو گیا ہے' اور سندھی رہنماؤں کا یہ ردعمل بالکل فطری بات ہے۔ دراصل یہ وہی بس کی گانٹھ تھی جو سارے فساد کی جڑ بن گئی۔ اس معاملے میں' میں سندھ میں آباد دیگر قومیتوں کے قائدین کی بصیرت کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے سندھ میں رہتے ہوئے پختون نژاد سندھی کہلانا تو پسند کیا' کبھی سندھ میں رہتے ہوئے اپنی قومیت کو تسلیم کرنے پر اصرار نہیں کیا۔ مہاجروں کی مجبوری یہ تھی کہ دیگر قومیتوں کی طرح ان کے پاس اپنا کوئی علاقہ نہ تھا۔ بہرحال اب یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ مہاجر قومیت کے نعرے نے مہاجروں کو کوئی فائدہ تو نہیں پہنچایا البتہ نقصان ہی نقصان پہنچایا ہے۔ ایم کیو ایم کے قائدین نے سندھیوں کو اعتماد میں لے کر اگر حقوق کی مشترکہ جدوجہد کی ہوتی تو آج صورتحال یقیناً مختلف ہوتی کہ سندھ میں بھی ایسے طبقات موجود ہیں جن کا ظالمانہ استحصال ہو رہا ہے۔

انگریزوں کے بنائے ہوئے صوبوں میں کسی قسم کی تبدیلی کو ہم نے ناممکن بنایا ہوا ہے گویا کہ یہ ہمارے لئے اللہ کے حکم کا درجہ رکھتی ہے' جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ہندوستان نے انتظامی سہولتوں کے پیش نظر صوبوں میں اضافہ کو ناگزیر جانا۔ مشرقی پنجاب جو ہمارے پنجاب سے چھوٹا ہے' اس کے تین صوبے کر دیئے گئے۔ ہماری سیاسی جماعتوں میں سے اکثر نے اپنے منشور میں صوبوں میں اضافہ کو شامل رکھا ہوا ہے اور گاہے گاہے ان کے ارشادات اس بارے میں پریس میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ رجال دین میں مولانا عبدالستار نیازی اور سیاستدانوں میں نواب زادہ نصراللہ خان' نواب زادہ جنرل شیر علی خان اور جناب حنیف رامے جیسے لوگوں کے بیانات اس سلسلے میں شائع ہو چکے ہیں لیکن سیاسی حکمتیں انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ

اس سلسلے میں کوئی عملی اقدام کریں۔ پیپلز پارٹی انتظامی سہولت کے پیش نظر ضلعی یونٹ اور اس کے ضلعی گورنر کی بات تو کرتی ہے لیکن صوبوں کی تقسیم کی بات سے وہ بھی گریز کرتی ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ نظام کی تبدیلی کے بغیر صوبوں کی مزید تقسیم ناممکن العمل ہے' اور جب نظام کو تبدیل ہی کرنا ٹھہرا تو پھر اپنے نظام یعنی "نظام خلافت" کی جانب رجوع کیوں نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہی وہ واحد نظام ہے جو وطن عزیز میں عدل اجتماعی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالمی سطح پر بھی نظام خلافت کے قیام کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال ۷ اگست کو لندن کے ویمبلے ارینا میں حزب التحریر کے زیر اہتمام ایک عالمی خلافت کانفرنس منعقد ہوئی تھی' جس میں پاکستان سے داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد جو نظام خلافت کو صدارتی نظام سے قریب تر قرار دیتے ہیں' وہ نظام خلافت میں پاکستان کی موجودہ مخصوص صورتحال کے پیش نظر انتظامی سہولتوں کی خاطر صوبوں کی تقسیم بھی ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ایک تقریر سے اقتباس قارئین کے استفادے کے لئے پیش خدمت ہے۔

"آخری بات اگرچہ نظام خلافت سے متعلق نہیں ہے لیکن یہ چیز روح عصر کا تقاضا ہے۔ ہم یہ بات کہتے ہیں کہ خلیفہ ایک ہی ہو اور خلیفہ مجلس شوریٰ کی اکثریت کا محتاج نہ ہو۔ یہ نہیں ہو گا کہ وہ ہر وقت ادھر سے ادھر پھدکنے والے مینڈکوں کو ہی سنبھالتا رہے۔ آج کی دنیا میں رائج الوقت صدارتی نظام میں منتخب ہونے والے سربراہ مملکت کو مقررہ مدت تک کام کرنے کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ وہ کسی کانگریس یا پارلیمنٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ باتیں مغرب نے اسلام ہی سے سیکھی ہیں۔ اگرچہ ہم خود ان اوصاف سے محروم ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

یعنی اس دنیا میں جہاں کہیں کوئی خیر اور بھلائی کی روشنی نظر آتی ہے' وہ یا تو براہ راست حضورؐ ہی کا عطیہ ہے یا ابھی انسانیت اس نور کی تلاش ہی میں سفر کر رہی ہے۔ قافلہ انسانی کا رخ اسی طرف ہے اور وہ جلد یا بدیر ادھر ہی پہنچے گا۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ موجودہ صوبوں کے معاملے کا بھی از سر نو جائزہ لیا جائے۔ پہلے ہی تین صوبے پنجاب کے بڑا ہونے پر شور مچاتے رہتے ہیں حالانکہ بڑے بھائی ہونے کے ناطے پنجاب کو نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ سینٹ میں پنجاب کے بھی اتنے ہی نمائندے ہیں جتنے بلوچستان کے۔ حالانکہ بلوچستان کی کل آبادی لاہور سے بھی آدھی ہے۔ اسی طرح پانی کی تقسیم کے معاہدے میں بھی پنجاب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہر جگہ بڑا بھائی ہی مار کھا رہا ہے لیکن واویلا پھر بھی یہی ہے کہ پنجابی ہمیں لوٹ کر کھا گئے۔ صدارتی نظام میں یہ احساس محرومی اور بڑھ جانے کا خطرہ موجود ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ صوبوں کی نئی تقسیم عمل میں لائی جائے اور چھوٹے چھوٹے صوبے تشکیل دیئے جائیں۔ یہ بات ضیاء الحق نے بھی کہی تھی اور اچھی بات کہی تھی۔ ملک کے خیر خواہ عناصر بھی یہی کہتے آ رہے ہیں کہ صوبے چھوٹے کر دیئے جائیں۔ ضیاء الحق مرحوم نے تو یہاں تک کہا تھا کہ پڑوسی ملک افغانستان کو دیکھو کہ وہ آبادی کے لحاظ سے ہمارا پانچواں حصہ ہے لیکن صوبوں کے لحاظ سے ہم سے بارہ گنا بڑا ہے۔ افغانستان کے پچاس صوبے ہیں جبکہ آبادی صرف دو کروڑ ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی چھوٹے چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ نئی صوبائی تقسیم میں لسانی اور جغرافیائی عوامل کو مد نظر رکھا جائے اور ایک کروڑ کی آبادی سے زیادہ کوئی صوبہ نہ ہو۔ وقت کا تقاضا ہے کہ صوبے چھوٹے ہوں اور انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔"

بدقسمتی سے ہمارے مذہبی عناصر اقتدار کی کشمکش میں شریک ہیں اور اس کے نتیجے میں دن بدن ملکی سیاست میں ان کی پوزیشن کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر یہ اقتدار کی کشمکش سے دور رہ کر ایک ایسا پریشر گروپ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے جو بدی کو مٹانے کے لئے خالصتاً لوجہ اللہ اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا تو اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار ہو سکتی تھی۔ موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے تو مستقبل بعید میں بھی بظاہر ایسا ہوتا نظر نہیں آتا' سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل خاص سے نوازے۔ لیکن فی الحال تو ہم اس شعر کے مصداق کامل بن چکے ہیں کہ۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

ایم کیو ایم کے قائد نے گزشتہ سال ستمبر میں علیحدہ صوبے کی تحریک کے لئے عوام سے رائے مانگی تھی جبکہ ایم کیو ایم کی قیادت دوبارہ علیحدہ صوبے کی بات کر رہی ہے تو اس کے لئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ صرف مہاجروں کے لئے سندھ میں علیحدہ صوبے کی بات نہ کریں ورنہ سندھی قوم ہرگز ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہو گی۔ نیز ملک کی دوسری قومیتیں بھی اس معاملے میں سندھیوں ہی کا ساتھ دیں گی۔ انہیں یہ بات ذہن میں ضرور رکھنا چاہئے کہ ان کے اپنے سیاسی حلیف اے۔ این۔ پی نے بھی مہاجر قومیت کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس وہ سرائیکی قومیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ ملک کی تمام قومیتوں کو ساتھ لے کر چلیں اور اس کا حل یہی ہے کہ اگر وہ سندھ کی تقسیم کی بات کرتے ہیں تو پھر انہیں دوسرے صوبوں میں بھی نئی صوبائی تقسیم کی بات کرنی چاہئے۔ انتظامی سہولتوں اور عوام کے احساس محرومی کو کم کرنے کا یہی ایک طریقہ فی الحال نظر آتا ہے کہ سندھ سمیت تمام صوبوں کو مزید صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس سے اصلاح احوال کی توقع تو ہو سکتی ہے لیکن استحصالی قوتوں کا خاتمہ تو صرف اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ ایم کیو ایم کے قائد کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سرفروش کارکن مہیا کئے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں اس کام یعنی اسلامی انقلاب کے لئے لگا سکیں تو توقع ہے کہ ان کی اور ان کے پیروکاروں کے لئے آخرت کی فلاح کی راہ بھی ہموار ہو گی اور دنیا کے مصائب سے بھی نجات ملے گی

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

"جب نظام کو تبدیل ہی کرنا ٹھہرا تو اپنے نظام یعنی نظام خلافت کی طرف رجوع کیوں نہ کیا جائے"

کراچی کے عوام کو سیاسی دھارے سے الگ کیا جارہا ہے !!

مذاکرات کس "عظیم تر قوت" کے اشارے پر ہو رہے ہیں؟

ماضی میں کراچی کے مسئلے پر مذاکرات کی ناکامی طاقت کے زعم کا نتیجہ تھی

نجیب صدیقی

کیا کراچی کے عوام کو سیاسی دھارے سے الگ رکھ کر امن قائم کیا جا سکتا ہے؟ کئی برسوں سے یہی ہوتا رہا ہے جس کے نتیجے میں لوٹ مار' بدامنی اور دہشت گردی کے گروپ انتہائی منظم اور موثر ہو چکے ہیں۔ انتظامیہ بے بس ہے' اس کے باوجود وہ اپنی شکست تسلیم نہیں کرتی۔ الیکٹرانک میڈیا سے جھوٹے پروپیگنڈے کے سیلاب نے الٹا اثر دکھایا ہے۔ پھر اخبارات کی بندش نے حکومت کی ساکھ کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ کسی حساب کتاب میں نہیں آسکتا۔

حقیقت کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ ننگی ہو جائے گی۔ ظلم اور جبر بظاہر کتنا ہی مضبوط نظر آئے ایک دن اسے ذلت کے ساتھ جانا ہی پڑتا ہے۔ اہل کراچی اس وقت جس اذیت میں مبتلا ہیں' دور بیٹھ کر اس کا تصور نہیں ہو سکتا۔ ملک کے دوسرے حصوں نے بھی اس کربناک حقیقت کا ادراک کر لیا ہے' اور اب ہر طرف سے آواز سنائی دے رہی ہے کہ کراچی کے مسئلے کا حل سیاسی اور صرف سیاسی ہے۔ اس بات کو پاکستان کی "عظیم تر قوت" نے بھی سمجھ لیا ہے اور آج اس پر کھل کر اظہار کیا ہے کہ یہ مسئلہ سیاسی ہے اور اس کا حل بھی سیاسی ہے۔ اب امید کی کرن نظر آتی ہے۔ کاش کہ وہ "عظیم تر قوت" پہلے ہی اس بات کا اظہار کر دیتی تو ہزاروں افراد موت کی آغوش میں نہ جاتے۔

دنیا نے ہمیشہ قوت کو تسلیم کیا ہے۔ قبائلی دور اور آج کے دور میں زمان و مکان کا فرق ضرور ہے مگر نفس مسئلہ ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ پنجہ آزمائی کے بعد حقیقت کو قبول کیا جاتا ہے۔ "عظیم تر قوت" کے اس اظہار کے بعد اہل کراچی نے ایک گونہ سکون محسوس کیا ہے کہ مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ وہ عظیم تر قوت اگر سنجیدہ رہی تو یقیناً کراچی اپنی پرانی حالت پر لوٹ آئے گا۔

مذاکرات کامیاب وہاں ہوتے ہیں جہاں دونوں پہلوان اپنے اپنے اعتبار سے مضبوط نظر آتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی قوت کو سمجھتے ہیں ورنہ کیسے مذاکرات' کاہے کی افہام و تفہیم۔ زور آور تو اپنی شرائط منواتا ہے۔ زور آور جب اپنے کو کمزور محسوس کرنے لگتا ہے تو برابر کی شرائط پر راضی ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا احسان نہیں ہوتا' اس کی کمزوری ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اسے بھی وہ احسان کے کھاتے میں ڈال کر اپنی جھوٹی انا کو تسکین دے سکے۔ حقیقت کا ادراک ہونے کے باوجود جو لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے وہ پہلے خود اپنے ضمیر کے مجرم ہوتے ہیں۔ ایسے مجرم لوگوں سے کوئی معاہدہ دیرپا نہیں ہوتا۔ معاہدے کے لئے پہلی شرط خلوص و اخلاص ہے۔ ایک دوسرے کا احترام ہے۔ ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم کرنا ہے۔ دلوں میں ایک دوسرے کے لئے گنجائش پیدا کرنا ہے' پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ منفی سوچ سے احتراز کرنا چاہئے۔

ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے ذہن کی تربیت منفی انداز پر ہوتی ہے وہ ہمیشہ منفی پہلو ڈھونڈتے ہیں اور اسی پر اپنی عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہر وقت تصادم کا خطرہ رہتا ہے اور بنے کام کو بگڑنے میں دیر نہیں لگتی۔ معاہدے کے لئے جو لوگ منتخب کئے جائیں ان کی سوچ مثبت ہونی چاہئے' معاملہ فہم ہوں جو مسائل کو حل کرنے کا داعیہ رکھتے ہوں' کسر و انکسار کے لئے تیار ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو وزن نہ دیں۔ گلے شکووں کو مسائل کے حل میں دیوار نہ بننے دیں۔ آج سے پہلے کراچی کے مسئلے پر جو بھی مذاکرات ہوتے رہے ہیں اور جو بھی نکات طے ہوتے رہے ہیں اس پر عمل اس لئے نہیں ہوا کہ دونوں کو اپنی اپنی طاقت پر زعم تھا۔ نیز دل سے آمادگی نہ تھی۔ وقت گزاری کے لئے ایسے معاہدے کئے گئے۔ لیکن آج کی صورتحال بالکل دوسری ہے۔ دونوں نے پنجہ آزمائی کے بعد ایک دوسرے کی قوت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ بلند بانگ دعوے ہوا میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ بار بار مہموں کے اہداف بدلتے رہے ہیں اور صورت جوں کی توں قائم رہی ہے۔ اس چشم کشا حالت پر بھی حقیقت سے اغماض کو صرف بے حسی یا جھوٹی انا کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے۔

"عظیم تر قوت" کے ایک جملہ نے یکسر صورتحال بدل دی ہے کہ کراچی کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ سیاسی حل تلاش کرنے کا یہ پہلا قدم مذاکرات کی میز پر دونوں فریقوں کو جمع کرنا ہے۔ ویسے تو یہ پہلے بھی جمع ہوتے رہے ہیں لیکن ان کے سروں پر کوئی تلوار لٹکتی نہیں تھی' اسی تلوار کا انتظار تھا۔ عظیم تر قوت تو خدائی ہے' مگر ہمارے معاشرے میں اس کی چلتی کہاں ہے؟۔ ہمارے معاشرے نے تو اس کے احکامات کو یکسر نظرانداز کر دیا ہے۔ اس وقت عظیم تر قوت وہ عسکری قوت ہے جس کے عندیہ پر یہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اگر اس قوت نے مزید دلچسپی لی اور مذاکرات کو کامیاب بنانے کی کوشش کی تو یقیناً کراچی والے سکھ کا سانس لے سکیں گے اور خوف و

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

"مذاکرات کامیاب وہاں ہوتے ہیں جہاں دونوں پہلوان اپنے اپنے اعتبار سے مضبوط نظر آتے ہیں"

14 اگست کا وہ دن جو پھر لوٹ کر نہ آیا'

اور تاریخ کا حصہ بن گیا

اقتدار احمد مرحوم کی آٹھ سال پرانی فکر انگیز تحریر جو اپنے معنوی حسن کے لحاظ سے آج بھی تازہ ہے

چودہ اگست ایک تاریخ نہیں تاریخ ساز لمحہ تھی۔ ایسے ہی لمحات میں سے ایک جو وقت کی تقویم میں بار بار نہیں آتے لیکن آتے ہیں تو لمحوں کی قدر جاننے والوں کی زندگی پر پائیدار نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کی چودہ اگست بھی ایسا ہی ایک لمحہ تھی جو لطیف ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گئی لیکن افسوس کہ ہماری حیات ملی پر اس کے نقوش اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔ بعض لوگ مصر ہیں کہ وہ چودہ اگست نہیں' ۲۷ / رمضان المبارک کا مبارک دن تھا' اس کی یاد انگریزی کیلنڈر پر نہیں قمری تقویم کے حساب سے منائی جانی چاہئے۔ چودہ اگست کو منائیں یا ۲۷/ رمضان کو' وہ دن ہم منا لیتے ہیں۔ رام لیلا کے سے انداز میں لیکن اس لمحے کا دامن تو ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔

میری زندگی میں چودہ اگست تین بار آیا' ایک ہی سال میں۔ ساڑھے دس سال کی عمر لڑکپن میں شمار ہوتی ہے لیکن اس عمر میں بھی مجھے اس لمحے کے لمس کی خوابناکی کا شعور پوری طرح حاصل ہوا جو میرا پہلا چودہ اگست تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے دور جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے راہوں میں گم ہو جانے والے شہزادے کو جو عرصے سے بیابانوں میں بھٹک رہا تھا' اچانک اپنی راجدھانی کو جانے والی پگڈنڈی مل گئی ہو۔ لڑکپن کے دور میں انسان کی سوچ بادشاہوں اور شہزادوں کی کہانیوں میں ہی سے گزرتی ہے۔ شہزادے کی منزل بہت دور تھی' اپنی سلطنت کے عیش و آرام بس حافظے میں کہیں ننگے ہوئے تھے' شاہی ٹھاٹھ باٹ کا نقشہ ذہن سے محو ہونے لگا تھا' عظمت رفتہ ایک کہانی بن گئی تھی۔ اسے اپنی جنت گم گشتہ تک پہنچنے کے لئے ایک طویل تھکا دینے والا سفر درپیش تھا' بڑی بڑی چٹانوں نے راستہ مسدود کر رکھا تھا لیکن ایک نوید جانفزا "کھل جا سم سم" کا راز اس کے کان میں کہہ گئی۔ وہ ابھی جنگل میں ہی تھا لیکن راجدھانی کے خواب دیکھنے سے اب اسے کون روک سکتا تھا۔

چند دن میں نے جی بھر کے خواب دیکھے۔ پاکستان کا مطلب کیا' لاالہ الااللہ کی گونج میرے سراپا میں رچ بس چکی تھی' دل کی دھڑکن بنی رہی تھی۔ ایک پاک سرزمین کا تصور دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا زمین پاک یا ناپاک کیسے ہوتی ہے' بس اتنا بتایا گیا تھا کہ جس زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو' جہاں حریت' اخوت' مساوات کی ابدی اسلامی قدروں کا سکہ چلتا ہو' جس میں محسن انسانیتؐ کا دیا ہوا نظام عدل و قسط رائج ہو' جہاں حاکم صرف اللہ ہو اور باقی سب برابر کے محکوم ہوں' جس کی سب بستیاں اللہ کے غلاموں سے آباد اور اس کے باغیوں سے آزاد ہوں' جہاں نہ غیر ملکی حکمرانوں کی زبردستی ہو اور نہ غیر مسلم اکثریت کی بالادستی' جو ظلم و استحصال کی ہر نجاست سے پاک ہو۔ وہ پاک سرزمین ہوتی۔ میرے خوابوں کی پاک سرزمین' پاکستان۔ پاکستان زندہ باد۔ وہ پہلی چودہ اگست میرے حافظے کی سکرین پر آج بھی محفوظ ہے۔

گنتی کے چند ہی دنوں بعد میرے خوابوں کی شیرینی میں فرقہ وارانہ کشیدگی نے زہر گھولنا شروع کر دیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہوا خون کی بو سے بوجھل ہونے لگی۔ دہشت ناک خبروں اور پراسرار افواہوں نے فضا کو آلودہ کر دیا۔ خوف اور تشویش نے بڑوں کے چہروں پر "اب کیا ہو گا؟" چسپاں کیا تو لڑکوں بالوں کے ٹھٹھے مخول کو سرگوشیوں میں بدل ڈالا۔ اب اس مسموم فضا سے نکلنا ہی ہو گا جسے ہماری پشت ہاپشت نسلوں نے اپنی سانسوں سے معطر کیا تھا' اس زمین کو چھوڑنا ہو گا جس کی خاک میں ہمارے بزرگ مٹی ہوئے لیکن ایسا ہوا بھی تو کیا۔ ہم فرزندان زمین نہیں' ہمارا خمیر اس مٹی سے نہیں ایک نظریئے سے اٹھا ہے۔ ہمارے بڑوں نے کفرستان کے اس خطے میں آ کر توحید کی شمع روشن کی تھی' یہاں امن و آشتی کی بستیاں بسائیں اور صدیوں محبت و رواداری سے انہیں منور رکھا۔ یہ پھر منافرت و تعصب اور ضلالت کے اندھیرے میں ڈوبنے لگی ہیں تو ان کے باسیوں کی قسمت۔ خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں۔ اسلام ہمارا دیس ہے ہم مصطفوی ہیں' ہمارے لیڈروں نے ایک پورے ملک کو پاکستان بنا دیا ہے' ہم اس میں تازہ بستیاں آباد کریں گے۔ اپنے نظریئے کو ایک جاری و ساری اور زندہ و پائندہ حقیقت بنا کر دکھائیں گے اور پھر اندھیاروں کے یہ مسافر ہم سے روشنی ادھار مانگیں گے' اطمینان و سکون قلب کے لئے ہماری طرف دیکھیں گے' ہاتھ پھیلائیں گے۔ ہم ظلمت سے نور کی طرف سفر کے لئے پابہ رکاب تھے لیکن ساڑھے دس سال کے ایک لڑکے کو کیا معلوم ہوتا' شاید بڑوں کو بھی اندازہ نہ تھا کہ یہ سفر خون کے

> **"چھ سات سال پاکستان کا مطلب کیا' لاالہ الا اللہ کے نعرے سننے اور لگانے اور ڈھائی تین ماہ کے ابتلا نے دل کے کھیت کو تقویٰ کا بیج ڈالنے کے لئے بالکل تیار کر لیا تھا۔ لیکن افسوس میرا چودہ اگست ہیڈ سلیمانکی کو عبور کر کے مہاجر کیمپ میں پڑاؤ ڈالنے کے چند گھنٹوں بعد ہی دم توڑ گیا"**

"چودہ اگست کا دن کیا غروب ہوا' میری امنگوں اور آرزوؤں کی دنیا اندھیر ہو گئی"

دریا میں تیر کر طے کرنا ہو گا۔

اور پھر میں نے بھائیوں کے ساتھ اپنے چوبارے کی بالکنی میں کھڑے ہو کر اور بہنوں کے ساتھ کھڑکیوں کی درزوں میں سے دیکھا کہ میرے خوابوں کی تعبیر خون کے فواروں کی اوٹ میں چلی گئی ہے' جن دوستوں کو رنگوں کی پچکاریوں سے ہولی کھیلتے دیکھ کر ہم خوش ہوا کرتے تھے وہ ہمارے مسلمان بھائیوں کے خون سے ہولی کا تہوار منا رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے گھر کے سامنے پھیلے ہوئے میدان

> "توپ و تفنگ اور مشین گنوں کی تڑتڑ نے مجھ پر چودہ اگست کے مفہوم کے جو چودہ طبق روشن کئے اس کے سامنے آج کی پرچم کشائی' پریڈ' اسلامی چراغاں اور آتش بازی سب ہیچ ہیں"

میں جس کے وسط میں محلے کی مسجد اور اس سے ملحق کنواں ہماری اجتماعیت کی علامت تھے' سروں کو لڑھکتے' بازوؤں کو فضا میں بکھرتے اور دھڑوں کو زمین پر ڈھیر ہوتے دیکھا۔ چند روز یہ معرکہ آرائیاں روز کا معمول رہیں جن میں ہمارے جیالوں نے بہادری کی رخشندہ روایات کو تازہ کیا پھر خون کی بو میں بارود کی ملاوٹ ہونے لگی۔ گولیاں ہمارے کمروں کے فرش چاٹنے لگیں' کھڑکیوں پر ان کی کانوں کے پردے پھاڑنے والی دستک بڑھی تو کپڑوں سے بھرے گھر کے چھوٹے بڑے صندوقوں کی ان میں چنائی کر دی گئی' جواب کے لئے ہمارے پاس گولیاں نہ تھیں کیونکہ پاکستان بنانے کے لئے مسلمانوں نے "بلٹ" جمع نہیں کی تھیں "بیلٹ" کے بل پر ملک جیتا تھا۔ سفاک قاتلوں نے گھیرا تنگ کرنے کے لئے مکانوں پر تیل چھڑک کر آگ لگانی شروع کر دی۔ ہم تین کپڑوں اور پاؤں کے جوتوں میں گھروں گھر راستہ بناتے شہر کے مرکز کی طرف سمٹنے لگے جو مسلم اکثریت کا علاقہ اور اب ان کا قلعہ تھا۔ اس محلے کے قلعے پر چاروں طرف کی گلیوں اور سڑکوں سے حملے روز کا معمول تھے۔ دونوں طرف سے جان لینے اور جان ہارنے کی مشق ہفتوں چلتی رہی' رسد کے راستے مسدود تھے اور جو تھوڑی بہت پہنچائی جاتی وہ بھی لڑ بھڑ کر۔

دوسرا چودہ اگست ۲/اکتوبر کو آیا جب دشمن نے دور و نزدیک سے جمعیت مہیا کر کے اور پولیس ہی نہیں محافظ فوج کے ایک دستے کی بھی مدد لے کر قلعے پر آخری حملہ کیا۔ توپ و تفنگ اور مشین گنوں کی تڑتڑ نے مجھ پر چودہ اگست کے مفہوم کے جو چودہ طبق روشن کئے اس کے سامنے آج کی پرچم کشائی' پریڈ اور اسلامی چراغاں اور آتش بازی سب ہیچ ہیں۔ اس چودہ اگست نے مجھے آزادی کی قیمت کا وہ بھاؤ بتایا جو میری آنکھوں کے سامنے کڑیل جوانوں نے نقد جاں کی صورت میں ادا کیا اور جس کے بارے میں میرا ناپختہ ذہن سوچتا بھی تو کیسے کہ ایک دن سستے میں کھلنے لگے گا۔ چودہ اگست کا وہ جشن دیکھنے کے بعد مجھے آج تک اس نام کا کوئی جشن دیکھنے کی خواہش نہیں ہوئی۔

چودہ اگست کی وہ تاریخ میری زندگی میں ۸/نومبر ۱۹۴۷ء کو آئی جو پھر کبھی لوٹ کے نہ آسکی اور جس کی ہر سال چودہ اگست کو درد کی کسک کی صورت احتیا کر لیتی ہے۔ اس دوپہر میں بیس روز ایک قافلے میں سفر کر کے اپنے خوابوں کی جنت میں پہنچا تھا۔ پہلا قدم ارض پاک پر رکھا تھا۔ لیکن یوں کہ پیر زمین پر ٹکتے نہ تھے۔ آج پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ

> "اس چودہ اگست نے مجھے آزادی کی قیمت کا وہ بھاؤ بتایا جو میری آنکھوں کے سامنے کڑیل جوانوں نے نقد جاں کی صورت میں ادا کیا اور جس کے بارے میں میرا ناپختہ ذہن سوچتا بھی تو کیسے کہ ایک دن سستے میں کھلنے لگے گا"

لڑکپن کی اس عمر میں میرا احساس کیسے سن بلوغت کو پہنچ گیا تھا۔ شاید یوں کہ ڈھائی ماہ مسلسل موت کا رقص دیکھ کر شعور سن و سال کے پیمانوں سے ماورا ہو چکا تھا۔ مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا کہ وہ ایک قدم مجھے موت کی وادی سے نکال کر سلامتی کی جنت میں لے آیا تھا۔ میرا جسم اپنی سب کثافتوں سمیت ادھر رہ گیا اور میری روح لباس لطافت میں ادھر آ گئی تھی۔ دنیوی امنگوں اور آرزوؤں کے بوجھ کو میں نے سرحد پار دھکیل دیا تھا اور جو متاع دل میں چھپا کر لایا وہ بے غرضی اور خلوص و اخلاص کے سوا کچھ نہ تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ عمر جو گزری وہ بیکار گزری اور اب بکار گزرے گی۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ عاقبت کو سنوارنے میں لگانے اور اسلام کے قلعے پاکستان کی تعمیر میں کھپانے کا داعیہ اتنا شدید تھا کہ آج اس کا عشر عشیر لاکھ کوشش کر کے بھی اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا۔ اپنی ذات کی کامل نفی کے ساتھ ملک و ملت کی سرفرازی کی خواہش وہ واحد سرمایہ تھا جس سے مجھے کاروبار حیات کو از سر نو شروع کرنا تھا۔

چھ سات سال پاکستان کا مطلب کیا' لاالہ الا اللہ کے نعرے سننے اور لگانے اور ڈھائی تین ماہ کے ابتلا نے دل کے کھیت کو تقویٰ کا بیج ڈالنے کے لئے بالکل تیار کر لیا تھا۔ لیکن افسوس میرا چودہ اگست ہیڈ سلیمانکی کو عبور کر کے مہاجر کیمپ میں پڑاؤ ڈالنے کے چند گھنٹوں بعد ہی دم توڑ گیا۔ چودہ اگست کا دن کیا غروب ہوا' میری امنگوں اور آرزوؤں کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ کیمپ پر مسلم لیگ کے رضا کار کارکنان قضا و قدر کی طرح مسلط تھے۔ میرے بزرگ جو مہینوں کی بھوک کے ستائے ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنے حصے کے لقمے بچوں کے لئے بچا بچا کے رکھ کر طویل فاقہ کشی کی تھی' لنگر سے روٹیاں لے کر نہیں دھکے کھا کر آئے۔ روٹیاں حاصل کرنا جوئے شیر لانا تھا اور بسکٹوں' دودھ' چینی اور جیسی گھی نعمتیں تو خانماں بربادوں کے لئے تھیں ہی نہیں' کیمپ انچارج کے دفتر میں رضاکاروں اور ان کے پسندیدہ لوگوں کے لئے ڈبوں میں محفوظ تھیں۔ عام اور خاص کی تفریق جسے ہم سرحد پار چھوڑ آئے تھے' اپنے منحوس جبڑے کھولے ہمارے اعلیٰ و ارفع جذبات کو نگلنے پر ادھار کھائے بیٹھی تھی۔ بعض رضاکاروں کی نظریں اس بچے کھچے مال پر تھیں جو آفت رسیدہ ہمسائیوں میں اور اپنے سینے کے ساتھ لگا کر لائے تھے اور اپنوں کی ہوس کے کچھ عفریت ان عصمتوں کو نگلنے کے درپے تھے جنہیں جانوں پر کھیل

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

پاکستان..... مگر کس کا؟

پاکستان کو "قبضہ گروپ" سے صرف انقلاب کے ذریعے آزاد کرایا جاسکتا ہے

نعیم اختر عدنان

ہر شخص کو اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری سی بات ہے لیکن جب وطن اور دین کے تقاضے یکساں ہو جائیں تو یہ سنجوگ محبت سے آگے بڑھ کر عشق کی وادی تک جا پہنچتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نبی کائنات محمد عربی ﷺ نے فرمایا حب الوطن من الایمان "وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے"۔ مملکت خداداد پاکستان ہر کلمہ گو کو پاکستان کے ایمانی تقاضوں کا محور بھی ہے اور دنیوی امنگوں کا مرکز بھی۔ ہر پاکستانی مسلمان کی یہ خواہش ہے کہ اس کا محبوب وطن ہمیشہ خوشحالی کی جانب محو سفر رہے اور اس کی قوت و شوکت میں برابر اضافہ ہوتا رہے۔ اس لئے کہ عوام الناس کو معاشی خوشحالی سے بہرہ مند کئے بغیر کوئی ملک سیاسی و سماجی سطح پر کمال کی جانب محو پرواز نہیں ہو سکتا۔

کروڑوں دلوں کی دھڑکنوں' لاکھوں عصمتوں کی قربانیوں اور ہزاروں معصوم جانوں کے خون کا امین پاک وطن آج بھی قبضہ گروپ پر مشتمل چند لوگوں کے "قبضہ قدرت" میں ہے' جنہوں نے ملک کے جملہ مادی وسائل پر اپنا غاصبانہ تسلط جما کر رکھا ہے۔

محنتی و جفاکش اور محب وطن لوگوں کی بے بس اور خاموش اکثریت بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کے ظلم و جور کا تختہ مشق بن کر زبان حال سے یہ کہہ رہی ہے کہ۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اہل خرد کہتے ہیں کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل حیوان ہے' جو جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے' جو پوری کائنات کا خالق ہے' اپنی تمام مخلوقات سمیت اشرف المخلوقات کے لئے ہر قسم کے رزق کا معقول بندوبست کر رکھا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خود ساختہ مفاداتی ضابطوں کے ذریعے "کچھ لوگ" جنہیں انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے' دوسرے انسانوں کا استحصال کر کے انہیں ان کی بنیادی ضروریات تک سے محروم رکھنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ پاکستان کے عوام کی عظیم اکثریت ظلم کی اسی چکی میں پس رہی ہے۔ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے دو وقت کی روٹی' گرمی و سردی سے بچنے کے لئے ایک چھت کے حصول کے لئے وہ کولہو کے بیل جیسی کمر توڑ محنت و مشقت کر کے بھی اس قابل نہیں ہو پاتا کہ بجلی' گیس اور پانی کے بلوں کے نام پر سرکار کو "شاہی خراج" دینے کے بعد اپنی

"کروڑوں دلوں کی دھڑکنوں' لاکھوں عصمتوں کی قربانیوں اور ہزاروں معصوم جانوں کے خون کا امین پاک وطن آج بھی قبضہ گروپ پر مشتمل چند لوگوں کے "قبضہ قدرت" میں ہے' جنہوں نے ملک کے جملہ مادی وسائل پر اپنا غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے"

انسانی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔ بے بسی کے ان خوفناک اندھیروں میں ہر سو یہ آواز سنائی دے رہی ہے کہ۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

۹۵'۹۶ء کے قومی بجٹ کے موقع پر پیش کردہ اعداد و شمار کے مطابق اکسٹھ ارب روپے سے زائد رقم پر مشتمل ٹیکس عام شہری ادا کرتے ہیں۔ جب کہ خدا کی دھرتی کے وارث زمیندار و جاگیردار سالانہ ۲۵ لاکھ روپے زرعی ٹیکس کی شکل میں خود اپنی ہی سرکار کو "تحفے" میں دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اقتدار کے ایوانوں میں یہی طبقہ رونق افروز ہے جس کی پہچان لش پش کرتی بیش قیمت گاڑیاں اور مغل بادشاہوں کو بھی مات کر دینے والے محلات ہیں۔

یہ صورت حال ایک انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ اہل خرد جانتے ہیں کہ انقلاب کا خون کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسا کہ چولی کا دامن کے ساتھ۔ اس خونی انقلاب سے بچنے کا راستہ اب بھی کھلا ہے --- ہاں ہاں بالکل کھلا ہے تم ذرا آنکھیں تو کھولو جن پر مفادات کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ تمہیں اسلام کا عادلانہ نظام' نظام خلافت اس کشت و خون سے بچا سکتا ہے --- یہی نظام خلافت ---- ہماری امیدوں کا مرکز ہے ورنہ لوگ تو کہتے ہیں اور سچ ہی کہتے ہیں کہ۔

کھیت وڈیروں سے لے لو
ملک لٹیروں سے لے لو
کوئی نہ رہ جائے عالی جاہ

پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ اور یہ بھی تو لوگ ہی کہتے ہیں کہ۔

نہ میرا پاکستان ہے نہ تیرا پاکستان ہے
یہ اس کا پاکستان ہے جو صدر پاکستان ہے

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست!
فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست!

جمہوریت.....ایک سراب

جمہوری نظام اسلام کے سیاسی نظام کی ضد ہے

جمہوریت کے اصل چہرے سے عوام واقف نہیں ہیں

جمہوری فکر کی کہانی، مغربی مفکرین کی زبانی!!

ابو دانیال کا چونکا دینے والا مضمون

اپنے گذشتہ مضمون میں راقم نے برطانوی پارلیمانی جمہوریت اور ہمارے مخصوص پس منظر میں غلو کی حد تک مرکزیت پر اصرار کو ہدف تنقید بنایا تھا۔ یہ دونوں موضوع اپنی اہمیت کے باعث مزید تحقیق اور بحث کے محتاج ہیں۔ پارلیمانی جمہوریت کی بالخصوص مخالفت سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا درست نہ ہو گا کہ مغربی جمہوریت کی غالباً کوئی ایسی دوسری شکل بھی ہے جو قابل قبول ہو سکتی ہے' درحقیقت جمہوریت اپنی کسی بھی شکل میں حکومت کے اسلامی تصور کی ضد ہے۔ مغربی اصطلاحات کا اپنی زبان میں ترجمہ کر لینے سے وہ نظریات "مشرف بہ اسلام" نہیں ہو جاتے جو ان اصطلاحات سے مخصوص ہیں۔

خود ڈیما کریسی کی اصطلاح کو لے لیجئے جس کو ہم اپنی زبان میں جمہوریت کہتے ہیں' اصلاً یہ اصطلاح دو الفاظ کا مرکب ہے یعنی عوام اور طاقت۔ لہٰذا ایسا سیاسی نظام جس میں تمام تر طاقت عوام کے ہاتھوں میں ہو جمہوری کہلایا گیا۔ اس نظام کے موجد کس قدر جمہوریت پسند تھے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ یونان میں اصل حکومت اشرافیہ کی تھی جبکہ لفظ عوام کا اطلاق صرف ایسے شہریوں پر ہوتا تھا جو آزاد پیدا ہوئے اور نسل در نسل آزاد ہی رہے۔ ایسے آزاد شہریوں کی تعداد کل آبادی کی دس فیصد سے زیادہ نہ تھی جبکہ نوے فیصد آبادی کارندوں' کاشت کاروں' غلاموں وغیرہ پر مشتمل تھی جو "شہری" تھے اور نہ کاروبار حکومت میں شامل۔

انقلاب فرانس سے موجودہ جمہوریت کا آغاز ہوا اور ابراہام لنکن نے جمہوریت کو عوام کی حکومت' عوام کے لئے' عوام کے اپنے ہاتھوں قرار دے کر اس کا جو تصور پیش کیا تھا وہ آج تک برقرار ہے۔ اس تصور کے مسلم نقاد پہلے ہی اسی جمہوریت کو اس بنیادی نکتے کے باعث رد کر چکے ہیں کہ اسلام اللہ کے علاوہ کسی فرد یا گروہ کو حاکم اعلیٰ (سورین) نہیں گردانتا کیونکہ کوئی بھی سیاسی نظام اخلاقی اور آفاقی اقدار کا حامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک اقتدار اعلیٰ اللہ کا تسلیم نہ کیا جائے۔ اس نکتے کی مزید وضاحت مجھ سے زیادہ اہل علم پہلے کر چکے ہیں اور بلاشبہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ میری زیر نظر گزارشات کا مقصد مغربی جمہوریت کو اس کے اپنے اصلی روپ میں دکھانا ہے اور اس مقصد کے لئے راقم نے خود اہل مغرب کے

"جمہوریت کے موجد اس قدر جمہوریت پسند تھے کہ یونان میں اصل حکومت اشرافیہ کی تھی!"

دانشوروں کی نگارشات پر انحصار کیا ہے۔

جمہوری نظام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ عوام باخبر ہوں اور اپنی رائے کا بغیر کسی جبر و دباؤ کے آزادانہ اظہار کر سکتے ہوں۔ حالات سے باخبری کے لئے موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ عوام بلاامتیاز تعلیم کا کم از کم اس قدر معیار حاصل کر چکے ہوں کہ وہ باآسانی لکھ پڑھ سکتے ہوں۔ ایسے ماحول میں جبکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر حکومتوں یا مخصوص مفادات کے حامل گروہوں کا قبضہ ہو' حالات حاضرہ کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے لکھنے پڑھنے کی اہلیت کا حامل ہونا اور بھی ضروری ہے۔ پہلے زمانے میں جبکہ معاملات کم پیچیدہ نوعیت کے ہوتے تھے زیادہ تر مسائل مقامی سطح پر حل کر لئے جاتے تھے' چونکہ ہر شخص ایک دوسرے سے ذاتی طور پر واقف ہوتا تھا پنچایت فیصلے کرنے کے لئے موثر ادارے کا کام سرانجام دیتی تھی۔ فیصلہ کنندگان کی ذاتی واقفیت تعلیم کا نعم البدل تھی۔ فیصلوں کی صحت پر شبہ کرنے کی اس لئے گنجائش نہ تھی کہ پنچایت کے ممبران کی رائے پر اثر انداز ہونے والے کوئی بیرونی دباؤ عموماً نہیں ہوتے تھے۔ اپنے سے بڑوں کا احترام' خوف خدا اور غلط فیصلے کی صورت میں مقامی معاشرے کی طرف سے برہمی کا ڈر ان کو حق کی راہ سے بھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ موجودہ حالات میں جبکہ روز مرہ کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے فیصلے قومی سطح پر کئے جاتے ہیں' ہر شہری کے لئے بنیادی تعلیم اور اپنی رائے کے اظہار کے لئے مکمل آزادی' حقیقی جمہوریت کے لئے لازمی شرائط ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اہل مغرب جو خود کو جمہوریت کا چیمپئن تصور کرتے ہیں کس حد تک اس کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔ اگر مذکورہ شرائط پوری نہیں کی جاتیں اور اصل مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ جمہوریت ایک سراب ہے اور کسی بھی معاشرے کے لئے جمہوریت بے فیض نظام ہے۔

برطانیہ میں اگرچہ تعلیم عام ہے اور شرح خواندگی تقریباً سو فیصد' لیکن پورے ملک میں دو قسم کے علمی ادارے تعلیم مہیا کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کو پبلک سکول کہا جاتا ہے اور جو نہایت معقول فیسیں وصول کرتے ہیں۔ دوسرے عام "کمپری ہینسو" یا سرکاری سکول ہیں (برطانیہ کی سابقہ کالونی کی حیثیت سے پاکستان میں تعلیمی اداروں کی ایسی ہی

تقسیم سے کون واقف نہیں؟)۔ اول الذکر سکولوں سے صرف امراء کی اولاد ہی فیض یاب ہو سکتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد امراء اور کروڑ پتی سرمایہ داروں کی یہ اولاد بغیر کسی رکاوٹ آکسفورڈ یا کیمبرج میں داخلہ لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور تعلیم مکمل کر لینے کے بعد ان کو اعلیٰ عہدوں کی پیشکش ہو جاتی ہے۔ جبکہ عام سکولوں سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے لاکھ جتن کے باوجود آکسفورڈ یا کیمبرج میں داخلہ حاصل کرنے کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ اگر کچھ بخت آور طلبہ کو داخلہ مل بھی جاتا ہے تو تعلیم مکمل کر لینے کے بعد اس بات کی ہرگز کوئی گارنٹی نہیں کہ عملی زندگی میں ان کو کوئی اعلیٰ عہدہ ضرور دے دیا جائے گا۔ پبلک سکول اور مذکورہ دونوں یونیورسٹیاں اشرافیہ کی تخلیق میں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ اپنی جگہ' ان کے علاوہ فری میسن' لائنز اور روٹری کلب جیسے ادارے بھی اشرافیہ کو برسراقتدار رکھنے میں معاون ہوتے ہیں اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ "اناٹومی آف برٹین" کا مصنف انتھونی سیمن رقم طراز ہے :-

"برطانیہ میں تعلیمی اداروں کا زبردست فرق اب بھی طبقاتی تقسیم کو سہارا دیتا ہے۔ سکولوں کی مختلف خطوط پر علیحدگی برطانیہ کی صنعتی ترقی میں آج بھی اہم رکاوٹ ہے۔ فیس وصول کرنے والے پبلک سکول حسب سابق فیصلہ کرنے والے اشرافیہ (ایلیٹ) مہیا کرتے ہیں اور عام طور پر یہ غلط قسم کی اشرافیہ ہے۔ تیس سال کے عرصے میں برطانوی سیاست کے اعلیٰ سطح پر فائز "قبائل" کی ہیئت ترکیبی میں کم ہی تبدیلی آئی ہے۔ ہیرلڈ میکملن نے جس کی کابینہ میں آکسفورڈ آیٹونین حاوی تھے' ہیرلڈ ولسن کی حکومت کے لئے راستہ دیا تو اس کی کابینہ پر آکسفورڈ کے اعلیٰ دماغوں کا تسلط تھا۔ ایڈورڈ ہیتھ کی کابینہ کے زیادہ تر وزیروں کا تعلق آکسفورڈ سے تھا۔ مسز تھیچر نے ایٹونین کو نکال باہر کیا اور آکسفورڈ کے بجائے کیمبرج والوں کو ترجیح دی"۔

اگر تعلیم عام نہ ہو یا امتیازی تعلیم کے باعث خواص و عوام کے ذہن مخصوص سانچوں میں ڈھال دیئے گئے ہوں تو موجودہ جمہوری نظام میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اشرافیہ کیا طریقہ اختیار کرتی ہے' اس کے متعلق نوم چومسکی اپنی کتاب "ڈیٹرنٹ یا کریسی" میں لکھتا ہے :-

"جو سسٹم ذہنیت بدلنے کے لئے بروئے کار لایا جاتا ہے اس کو مختلف اہداف سے نمٹنا ہوتا ہے۔ اس کا ایک ہدف بیوقوف اور جاہل عوام ہوتے ہیں۔ موثر جذباتی وضاحتوں سے کام لے کر ان کو اپنی اس حالت میں برقرار رکھنا ضروری ہے' تاکہ ان کو نظرانداز اور تنہا کیا جا سکے۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ ہر شخص اکیلا ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا کھیل کود' طویل سوپ آپرا' فلمیں اور مزاحیہ پروگرام دیکھنے میں مشغول رہے تاکہ معقول وسائل نہ رکھنے کے باعث ان اجتماعی اداروں سے مستفیض نہ ہو سکے' جو آپس میں میل جول کے باعث اس کو یہ دریافت کر لینے کا موقع فراہم کر سکتے ہیں کہ اس کی اپنی سوچ کیا ہے یا وہ کس بات کا تعین کر سکتا ہے تاکہ اپنی ترجیحات اور پروگراموں کو شکل دے کر ان کے حصول کے لئے وہ عملی جدوجہد کر سکے اس طرح (ان کی توجہ اصل مسائل سے ہٹا لینے کے بعد) ان کو اجازت ہو گی بلکہ ان کی ہمت افزائی کی جائے گی کہ وقفے وقفے سے ہونے والے انتخابات میں وہ اپنے سے بہتر (اشرافیہ) کے فیصلوں کی تائید کریں۔ ابلاغ عامہ اور تعلیمی نظام کا اصل ہدف سادہ لوح اور بے قابو عوام ہوتے ہیں۔ ان اداروں کو تابعداری پیدا کرنے اور مطلوبہ ہنر جس میں مناسب مواقع پر جوشیلے قومی نعرے لگانے کا ہنر بھی شامل ہے' کی ٹریننگ مہیا کرنے کے لئے پوری طرح لیس کیا گیا ہوتا ہے"۔

"تابعداری کو ایک قابل اعتبار عادت بنانے کے لئے اس کا زندگی کے ہر پہلو میں رسا بسا ہونا ضروری ہے۔ عوام تماشائی ہوں' شریک عمل نہ ہوں' نظریئے (آئیڈیالوجی) کے خریدار ہوں اور اس کی پیداوار بھی بقول آرڈو گلینو عوام کی اکثریت کے لئے تخیلاتی دنیا کے خواب دیکھتے رہنا ہی اس کا مقدر ہے۔ غریب کو دولت کے' مظلوم کو آزادی کے' شکست خوردہ کو فتح کے اور کمزور کو اقتدار کے خواب دکھائے جاتے رہے ہیں"۔

رائے عامہ کی اہمیت اور اس کی طاقت کا انکشاف جب ڈیوڈ ہیوم پر ہوا تو وہ یہ دریافت کر کے حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ .... "چند افراد باآسانی لوگوں کی اکثریت پر حکمرانی کرتے دیکھے جا سکتے تھے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی کہ یہ اکثریت اپنے جذبات اور خواہشات کاملا اپنے حکمرانوں کی مرضی کے تابع کر لیتی تھی۔ جب اس بات کی تحقیق کی گئی کہ اس عجیب و غریب حقیت کی وجہ تسمیہ کیا ہے تو پتہ چلا کہ طاقت ہمیشہ رعایا کے پاس ہوتی ہے اور حکمران کے پاس اس کو سہارا دینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا ماسوائے رائے عامہ کے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حکومت کا انحصار رائے عامہ پر ہے اور یہ اصول جابر حکومت ہو یا فوجی سب پر لاگو ہوتا ہے اور ان حکومتوں پر بھی جو انتہائی آزاد اور مقبول عام ہیں"۔

رائے عامہ کی طاقت کا پوری طرح انکشاف ہونے کے بعد اس کو اپنے حق میں استوار کرنے کے لئے حکمران طبقے نے سائنٹفک طریقے اختیار کئے اور ان طریقوں میں نئی ایجادات کی روشنی میں نت نئی جدت پیدا کی۔ تعلقات عامہ (پبلک ریلیشنز) بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس شعبہ کا ایک ماہر ایڈورڈ

> **"اس حقیقت سے اب انکار محال ہے کہ اگر دستار و جبہ میں ملبوس گدی نشیں' خودپرست اور اقتدار پسند اور خود ساختہ القابات سے مرصع و مزین مولوی اور مشائخ حضرات اگر تقلید سے چمٹے رہنے کے باعث فروعات میں الجھے رہے تو پاکستان میں سیکولرازم کے لئے زمین ہموار ہو گی اور نام نہاد جمہوریت بھی اپنی تمام تر مکروہات کے ساتھ ضرور آکر رہے گی"**

بریمز وضاحت کرتا ہے کہ کسی خیال کو ذہنوں میں ڈالنے اور ترغیب دلانے کی آزادی ہی جمہوریت کا جوہر ہے' جس کو حمایت کی صناعی کہا جا سکتا ہے۔ تیسری دہائی میں شائع ہونے والی تعلقات عامہ کی ایک نصابی کتاب میں وہ لکھتا ہے... "عوام کی اجتماعی عادات اور ان کی رائے کو باشعور اور دانشمندانہ طریقے سے اپنی مرضی کے مطابق ہموار کرنا جمہوری معاشرے (کی حکمت عملی) کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ دانشمندانہ اقلیتیں ہی ہیں جن کو پروپیگنڈے کے متواتر اور باقاعدہ استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔" (اسی لئے جمہوریت کی علمبردار ہماری قیادت کی امریکہ میں تعلقات عامہ میں ماہر فرموں کی خدمات حاصل کرنے کے لئے بھاگ دوڑ) اشرافیہ کے اس خوف کے پس منظر میں کہ رائے عامہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ کا مشہور کالم نگار اور مبصر والٹر لپ مین عملی جمہوریت کی حمایت کی صناعی کو ایک انقلاب قرار دیتا ہے اور مقبول حکومتوں کے ہاتھوں اس صناعی کو ایک باشعور فن اور باقاعدہ ادارہ گردانتا ہے۔

موجودہ صورتحال کے پس منظر میں چومسکی لکھتا ہے... "جمہوری معاشرے میں سوچ پر کنٹرول کا تصور ... بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ جمہوری معاشرے میں جبر و طاقت کے حامل درجہ بند اداروں کے ہاتھوں ترجیحات کی دل پسند تشکیل... بظاہر متضاد بات ہے۔ ایک معاشرہ اسی حد تک جمہوری کہلایا جا سکتا ہے' جس حد تک اس کے شہری عوامی زندگی کے معمولات کے انتظام و انصرام میں وہ خود بامعنی کردار ادا کر سکتے ہوں۔ اگر ان کی سوچ و فکر پر پہرے بٹھا دیئے گئے یا ان کی ترجیحات کو حد درجہ محدود کر دیا گیا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ اپنا مطلوبہ بامعنی کردار ادا نہیں کر رہے بلکہ کنٹرول کرنے والے ادارے یا وہ لوگ جن کی خدمت ان اداروں کا فریضہ ہے ایسا کر رہے ہیں باقی سب کچھ دکھاوا ہے یا بے معنی رسمی کارروائیاں ہیں۔ لہٰذا تضاد اپنی جگہ برقرار ہے اس کے باوجود کچھ دانشمندوں کی رائے مختلف ہے۔ ان کے خیال میں سوچ و فکر پر کنٹرول آزاد اور جمہوری معاشروں کے لئے زیادہ ہی ضروری ہے"۔

تھامس کارلائل نے پریس کو ریاست کا چوتھا ستون قرار دیتے ہوئے حکمرانوں کے ہاتھوں طاقت کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اخبارات کے کردار کو اجاگر کیا تھا لیکن کچھ عرصے سے ذرائع ابلاغ نے خود کو دنیا بھر کے سرمایہ کاروں کے مفادات سے منسلک کر لیا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے انتھونی سیمن لکھتا ہے :-

"اخبار منافع کمانے والی صنعت بن چکے ہیں۔ نئے اخباروں کے زیادہ تر مالکان بشمول رابرٹ مرڈاک' رابرٹ میکسویل' کونراڈ بلیک اور ٹائنی رولینڈ برطانیہ میں اپنے اخبارات کو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے کاروبار کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ طاقتور سرمایہ دار (ٹائیکون) اس نتیجے پر پہنچے کہ اس معلوماتی دور میں ذرائع ابلاغ کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ گذشتہ صدی میں ریلوے کی طرح اخبارات کے ذریعے وہ طاقت کے ایسے ایوانوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن میں سیاست اور ہاؤس آف لارڈز کی خطاب یافتہ ممبری ہی نہیں بلکہ آئل فیلڈ' ٹی وی اسٹیشن اور تمام تفریحی صنعت کو شامل کیا جا سکتا ہے جیسے جیسے آٹھویں دہائی میں پریس پھیلا اس کی کھوکھلی آزادی بھی جاتی رہی۔ صحافیوں نے قیمتی سوٹ زیب تن کر لئے' ایڈیٹروں نے نائٹ ہڈ کے خطابات قبول کئے اور اخبارات انشورنس کمپنیوں کی طرح نئی عالیشان عمارتوں میں منتقل ہو گئے۔

لیکن اس کامیابی کی قیمت بھی ادا کرنا پڑی اپنی کامیابیوں سے سرشار مالیاتی اداروں کی جائز حدود سے بڑھی ہوئی زیادتیوں کے خلاف معلومات مہیا کرنے یا ان پر تنقید کرنے سے اخبارات کے مالکان' اشتہار کنندگان اور ازالہ ہتک عزتی کے مقدموں میں ماہر وکیلوں کے دباؤ کے تحت رپورٹوں کو روک دیا گیا۔ اس سلسلے میں میکسویل سیکنڈل نے رپورٹوں کو سب سے زیادہ پشیمان کیا۔ اس سکینڈل سے یہ بات آشکارہ ہوئی کہ بینکوں نے بغیر کسی معقول ضمانت کے بھاری قرضے جاری کئے تھے' آڈیٹرز بددیانتی سے تیار کئے گئے' حسابات کی تصدیق کر سکتے تھے' ریٹائرڈ ملازمین کے پنشن فنڈ کو دل کھول کر لوٹا جا سکتا تھا اور پیسہ دے کر رپورٹوں سے جھوٹ بلوایا جا سکتا تھا" (کیا یہ پڑھ کر پاکستان میں کوآپریٹو اور سرمایہ کمپنیوں کی واردات کی یادیں تازہ نہیں ہو جاتیں؟)

رائے عامہ کو اپنی مرضی کے تابع رکھنے کے لئے روایتی اشرافیہ' جس کے محلات میں اب "بگ بزنس" نے بھی اپنا گھر بنا لیا ہے' کا کردار اب پوشیدہ نہیں رہا۔ پارٹی سسٹم جس کو جمہوریت کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے کبھی کا دم توڑ چکا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں ڈیمو کریٹک اور لیبر پارٹیوں کا طویل عرصے سے حکمرانی سے محروم رہنا بھی اشرافیہ کی حکمت عملی کا ہی نتیجہ ہے۔ برطانیہ کے حالیہ عام انتخابات سے پہلے عوام کی حمایت کے اندازے لگانے اور نتائج کی پیش گوئی کرنے والے متعدد اداروں (مثلاً ہیرس پول یا گیلپ پول وغیرہ) نے نہایت چابکدستی سے کام لیا۔ یہ ادارے بھی اشرافیہ کی ایجاد اور ان کے مفادات کی نگہبانی کا کام کرتے ہیں اور جس طرح کے سوالنامے مرتب کر کے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے لئے جو حکمت عملی اپناتے ہیں وہ رائے عامہ کو کنٹرول کرنے کے لئے منصوبہ بندی کا شاہکار ہیں کیونکہ مظلوم فریق چوٹ کھا کر اف بھی نہیں کر سکتا۔ ظالم کی نشاندہی تو دور کی بات ہے چنانچہ جمہوریت کے چہرے سے نقاب اٹھاتے ہوئے چومسکی کہتا ہے :-

"حقیقتاً اب صرف ایک سیاسی جماعت ہے' بزنس پارٹی' جس کے دو فرقے ہیں۔ سیاسی تاریخ کے بیشتر حصہ میں یہ پارٹی سرمایہ کاروں کے گٹھ جوڑ کو ان کے کھاتوں کی مانند ادھر سے ادھر منتقل کرتی رہتی ہے۔ یونینز اور دوسرے مقبول ادارے جو عوام کو متبادل پالیسیوں اور پروگراموں پر اثر انداز ہو کر اپنا کچھ کردار ادا کرنے کے ذریعہ مہیا کر سکتے تھے' بہت ہی محدود دائرہ کار کو چھوڑ کر اپنی کارروائیاں ختم کر چکے ہیں۔ مراعات یافتہ طبقے کی اجتماعی رائے نے نظریاتی نظام کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

"جمہوریت کو اسلام سے قریب تر نظام گردانے والے حضرات اس حقیقت سے نظریں چراتے نظر آتے ہیں کہ سیکولرازم کا خمیر جمہوریت کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے"

"مسلم نقاد جمہوریت کو اس نکتے کے باعث رد کر چکے ہیں کہ اسلام اللہ کے علاوہ کسی کو حاکم اعلیٰ نہیں گردانتا"

انتخابات ایک مذہبی رسم بن کر رہ گئے ہیں جو سیاسی نظام اور ان کی ترجیحات کے کھوکھلے پن کی غمازی کرتے ہیں۔ صدارتی انتخابات میں بھی ان اہم مسائل کا دکھاوے کے لئے بھی تذکرہ نہیں ملتا' جن کے حل کا انحصار انتخابات پر ہونا چاہئے۔ دلنشیں پروگراموں کا مقصد ووٹ حاصل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا جبکہ انتخابات میں امیدوار تعلقات عامہ کی حکمت عملی سے متعلق ماہرین کے مشورے کے مطابق سامعین کے لئے اپنے بیغامات تیار کرتے ہیں۔ سیاسی مبصر ایسے سوالوں پر غور کرتے ہیں کہ آیا ریگن وہ الفاظ جو اس کا سامعین کی موجودگی میں ادا کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں ان کو یاد رکھ سکے گا۔ کہیں مونڈیل (مجمع میں) چہرے مہرے سے بہت پژمردہ تو نہیں دکھائی دے رہا تھا یا ڈکاکس اس کیچڑ سے خود کو بچا لینے میں کامیاب ہو جائے گا' جسے جارج بش کی تقریریں لکھنے والوں نے اس پر اچھالی ہے"۔

ان اقتباسات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ عوام کی حکومت عوام کے لئے محض ڈھکوسلہ ہے۔ عوام ہی اقتدار اعلیٰ (سورنٹی) کے حامل ہیں' محض ایک نعرہ ہے' جو ان کو بیوقوف بنانے کے لئے گاہے بگاہے بلند کیا جاتا ہے اور اس مقصد کے لئے انتخابات کا ڈھونگ باقاعدگی سے رچایا جاتا رہتا ہے۔ اقتدار ہمیشہ اشرافیہ کے پاس رہا ہے اور جمہوری نظام جن معنوں میں وہ سمجھا جا رہا ہے' اس کا کبھی وجود نہیں رہا۔ روایتی اشرافیہ اور "بگ بزنس" کے گٹھ جوڑ نے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جن کے باعث ایک طرف عوام کی سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق کنٹرول کیا جاتا ہے اور دوسری طرف مختلف پارٹیوں کو سیاسی ایجنڈے سے اہم اور بنیادی مسائل کو خارج کر کے فروعی مسائل پر نورا کشتی میں مشغول رکھ کر ان کو زندہ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عوام کو سادہ لوح جاہلوں پر مشتمل بے قابو ہجوم سمجھ کر ان کے سامنے نہایت محدود ترجیحات رکھی جاتی ہیں جبکہ پارٹیوں کی قیادت کو کٹھ پتلیوں کی مانند اپنی زیر ہدایت جمہوریت کا تماشا اسٹیج کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے کم ہی لوگ واقف ہیں کہ مروجہ جمہوری نظام کی پالنہار اشرافیہ اصل جمہوریت کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے' اور اس سے خوفزدہ بھی ہے۔ ایران میں مصدق کی عوامی حکومت کا تختہ الٹ دیا جانا اور کچھ ہی عرصہ قبل الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابات میں واضح اکثریت سے خوفزدہ ہو کر اس کو اقتدار سے محروم کر دینے کی سازش بھی اس حقیقت کی زندہ مثالیں ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ صنعتی انقلاب اور اس کے نتیجے میں لیبر یونینز اور دوسرے اداروں کی حصول حقوق کے لئے جدوجہد جمہوری نظام کی نشوونما کے لئے ضروری ہے۔ مزدور اپنی جدوجہد کے باعث کچھ حقوق اور مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ضرور ہوئے ہیں لیکن مستقل کھنچاؤ اور زور آزمائی نے معاشرے کو طبقاتی خطوط پر تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔ سطحی تبدیلیوں سے قطع نظر اصل حکومت روایتی اشرافیہ اور سرمایہ داروں کے پاس ہی رہی ہے جس نے مناسب موقع پر یونینز میں گروہ بندیاں پیدا کیں اور چند یونین لیڈروں کے ذریعے انتہاپسندی کو فروغ دے کر حصول مقصد کے لئے ایسے لیڈروں کو اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا تاکہ اقتدار کے ایوان میں پچھلے دروازے سے لائے گئے چند "بھاری بھرکم" یونین لیڈروں کے ذریعے یونینز کا دباؤ کم کیا جا سکے۔ امریکہ میں پہلے کمیونزم کا ہوا کھڑا کر کے اور پھر چھٹی دہائی میں سینٹر میکارتھی کی منتقمانہ "اکیوزیشن" کے ذریعے وہاں لیبر یونینز کا بوریا بستر تقریباً لپیٹ دیا گیا۔ انگلستان میں مسز تھیچر نے اپنے سے پچھلے دور میں یونین والوں کی انتہاپسندی کے خلاف عوام کے جذبات کا استحصال کرتے ہوئے پہلے لیبر قوانین میں دور رس تبدیلیاں کیں اور پھر کوئلے کے کان کنوں کی طویل سٹرائیک کے دوران لیبر یونین کی قیادت کے اہم ترین ستون آرتھر اسکارگل کو نشانہ بنا کر یونینز کو قطعی بے موثر کر دیا۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو انقلاب فرانس یا صنعتی انقلاب' اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے عوامی تحریکیں اگرچہ وقتی اور جزوی طور پر کامیاب رہی ہوں گی لیکن عوام آج بھی محتاج اور ذہنی غلامی کا شکار ہیں۔ دور ملوکیت میں حاکم اور رعایا پر مشتمل معاشرہ ظالم اور مظلوم طبقات میں منقسم تھا۔ آج بھی دنیا بھر کے تمام معاشرے اپنی ظاہری شکلوں میں تمام تر تبدیلیوں کے باوجود ظالم اور مظلوم طبقات پر ہی مشتمل ہیں۔ یورپ میں ظالم طبقے کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے سے پہلے عوام چرچ سے مایوس و بیزار ہو گئے تھے اور ان کے ذہن سیکولرازم کو قبول کر لینے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ جمہوریت کو اسلام سے قریب تر نظام گردانے والے حضرات اس حقیقت سے نظریں چراتے نظر آتے ہیں کہ سیکولرازم کا خمیر جمہوریت کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔

اس حقیقت سے اب انکار محال ہے کہ اگر دستار و جبہ میں ملبوس گدی نشین' خود پرست و اقتدار پسند اور خود ساختہ طویل القابات سے مرصع و مزین مولوی اور مشائخ حضرات اگر تقلید سے چمٹے رہنے کے باعث فروعات میں الجھے رہے تو پاکستان میں سیکولرازم کے لئے زمین ہموار ہو گی اور نام نہاد جمہوریت بھی اپنی تمام تر مکروہات کے ساتھ ضرور آ کر رہے گی۔ ہم لوگ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ظلم و زیادتی کا ہر دم رونا روتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اقتدار کی دوڑ میں شامل جمود و تقلید کے علمبردار مذہبی وڈیرے بھی مسجدوں' مزاروں اور خانقاہوں کا کنٹرول سنبھال کر عوام کے استحصال میں برابر کے شریک ہیں۔

جن ہمت شکن مسائل سے اہل پاکستان دوچار ہیں ان کا حل جمہوریت ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا جس سیاسی نظام کی ضرورت ہے وہ جمہوریت نہیں مشاورت ہے لیکن مشاورتی نظام ایک علیحدہ موضوع ہے۔OO

(بشکریہ جنگ' لندن)

"ہم لوگ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ظلم و زیادتی کا ہر دم رونا روتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اقتدار کی دوڑ میں شامل جمود و تقلید کے علمبردار مذہبی وڈیرے بھی مسجدوں' مزاروں اور خانقاہوں کا کنٹرول سنبھال کر عوام کے استحصال میں برابر کے شریک ہیں"

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اس دور میں پرچہ نکالنا' لانا ہے جوئے شیر کا

اقتدار احمد مرحوم نے اپنی ذات کو "ندائے خلافت" میں گم کر دیا تھا

"ندائے خلافت" کی دوبارہ اشاعت پر تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق جناب نجیب صدیقی کی توجہ طلب باتیں

کاروان خلافت کا ترجمان "ندائے خلافت" اپنے مدیر کی طویل علالت کے باعث خود بھی صاحب فراش ہو گیا تھا۔ مدیر موصوف تو موت و حیات کی اس جنگ میں بازی ہار گئے۔ کسی کو یقین نہ تھا کہ موت ان پر اس تیزی سے شب خون مارے گی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں گے' اس فاختہ کی طرح جو دونوں ہاتھوں سے نکل کر فضا کی پہنائیوں میں گم ہو گئی ہو۔ مرحوم نے "ندائے خلافت" کو اپنے خون جگر سے سینچا تھا۔ یہ محاورہ صد فیصد ان پر صادق آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنے کو اس پرچے میں گم کر دیا تھا یا پرچہ ان کی ذات میں گم ہو گیا تھا تو یہ مبالغہ نہ ہو گا۔ مضامین کی ترتیب کے ساتھ اس کا ظاہری حسن بھی نمایاں تھا۔ پرچہ تو ان شاء اللہ چھپتا رہے گا مگر ہر پرچے کے ساتھ ان کی یاد دلوں میں کسک پیدا کرتی رہے گی۔

مرحوم نے جس محنت اور کوشش سے پرچہ کو اٹھایا تھا اس کی داد نہ دینا زیادتی پر مبنی ہو گا۔ راستہ بنانے میں کتنی دشواری ہوتی ہے' یہ تو وہی بتا سکتے ہیں جن کے ہاتھوں میں فرہاد کا تیشہ ہو اور دل امنگوں سے بھرا ہوا ہو۔ عزم سے سرشار لوگ ہی وہ راستہ بنا جاتے ہیں جس پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ ندائے خلافت اپنی اس شاہراہ پر پھر سفر کا آغاز کر رہا ہے۔ اس کے مقاصد متعین ہیں اور بنی بنائی شاہراہ سامنے ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس بار کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا ہے انہیں دشواری تو ضرور محسوس ہو گی مگر یہ تصور ان کی رگوں میں جادو بھر دے گا کہ اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ہے اور اس مشن کو بام عروج تک لے جانا ہے۔

یہ محاورہ سنتے آئے ہیں کہ بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا بنا دیا۔ جس نے بھی یہ بات کہی ہے درست کہی ہے' ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ایسا ہوتا رہے گا۔ "ندائے خلافت" کو جن لوگوں نے اپنے عزم کے کاندھوں پر اٹھایا ہے انہیں بڑا بننا پڑے گا۔ انہیں ہم بڑا مانتے ہیں۔ یہ کام بہت بڑا ہے' اور جو لوگ بھی اس بڑے کام میں ایندھن بنیں گے ہم ان کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

"ندائے خلافت" جس کے نام میں اس کے مقصد کا تعین شامل ہے' اسے دشوار منزلوں سے گزرنا ہے۔ اس دور میں پرچہ جاری رکھنے کے لئے عوام کی خواہشات کا بھرپور خیال رکھنا پڑتا ہے۔ پرچے میں ان کے ذوق کی غذا مہیا کرنی پڑتی ہے۔ پرچے کو دلچسپ بنانے کے لئے نت نئے اسکینڈل تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ پھر خوبصورت تصاویر سے مزین کئے بغیر عوام کی پرچے کی طرف نگاہ التفات نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا معاشرہ تیزی سے زوال کی طرف جا رہا ہے۔ معاشرہ کی تعمیر کے بجائے لوگوں کی بدذوقی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ہمیں "ندائے خلافت" کے ذریعہ عوام کے ذہن کی تعمیر کرنی ہے۔ انہیں مثبت سوچ کی طرف لانا ہے۔ انہیں سفلی جذبات سے نکال کر اعلیٰ اقدار سے روشناس کرانا ہے۔ انہیں بتانا ہے کہ یہ چٹ پٹے مضامین نئی نسل کو تباہ کر رہے ہیں۔ انکے ذہنوں میں جرائم کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں جو آگے چل کر معاشرہ کے سکون کو پارہ پارہ کرتے ہیں' ایسے لوگ خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کی ہلاکت کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اس معاشرے میں ایسا پرچہ جو مثبت سوچ کا حامل ہو' جو ایک نظریہ رکھتا ہو' جو تعمیر کے تصور سے مالا مال ہو' اس کے لئے قدم جمانا کتنا مشکل ہے!! ایسے پرچے اشتہارات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پرچے کے لئے اشتہارات ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ نظریاتی پرچوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی اس کے اپنے کارکن ہوتے ہیں جو نامساعد مالی حالات میں بھی پرچے کے لئے اپنا خون نچوڑتے ہیں۔

پرچہ چلانے والوں کی اپنی ایک مشکل یہ بھی ہوتی ہے کہ اسے دلچسپ بھی بنانا ہے' تاکہ قاری اسے ڈاکٹری نسخہ سمجھ کر نہ پڑھے بلکہ اس کا اپنا ذوق و شوق بھی اس میں شامل ہو۔ وہ اتنا دلچسپ ہو کہ اگلے پرچے کا انتظار بے چینی سے کیا جائے۔ حدود و قیود کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اتنا مشکل کام ہے جس کا اندازہ صرف پرچہ چلانے والوں ہی کو ہو سکتا ہے۔ پرچے کے لئے پابندی وقت سے شائع ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے ساتھ تعلق خاطر کتنا ہے۔ پابندی وقت سے شائع ہونا بذات خود ایک چیلنج ہے جو پرچہ کی انتظامیہ کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

قارئین کی طرف سے حوصلہ افزائی کے کم اور حوصلہ شکنی کے مواقع زیادہ آتے ہیں۔ اس صورت میں خود کو سنبھالنا بھی ایک بڑا کام ہے۔ مقصد سے تعلق اور خلوص و اخلاص ہی سے قدم جمے رہتے

"ندائے خلافت جس کے نام میں اس کے مقصد کا تعین شامل ہے' اسے دشوار منزلوں سے گزرنا ہے"

ہیں۔ باد مخالف کا کام تو قدم اکھاڑنا ہے مگر ایک نظریاتی شخص کو اس سے مہمیز ملتی ہے اور وہ مزید بلندیوں کی طرف پرواز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پرچے کے اس دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے پر میں انتظامیہ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اسی لگن اور دھن سے اقتدار احمد مرحوم کے اس پودے کو تناور درخت بنادیں! بقول شاعر ع

"ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!!

بقیہ : ایک یادگار تحریر

کر غیروں سے بچایا گیا تھا۔

چودہ اگست کا سورج مجھ پر پھر طلوع نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ آج بیالیسواں چودہ اگست ہے لیکن مجھے تو وہ روشنی کہیں نظر نہیں آتی جس سے چودہ اگست کے سورج نے میرے گردوپیش کو منور کر دیا تھا۔ روشن امیدیں' روشن آرزوئیں' روشن ارادے اور روشن رویے اکتالیس سال میں سب ماند پڑ گئے۔ پہلے ہم آہ وزاری کرتے تھے کہ غیروں کی محکومی میں ہم اپنے اللہ کی بندگی کیسے بجا لائیں' طاغوت ہم پر مسلط ہے' اسلام کا نظام عدل و قسط کہاں نافذ کر کے دکھائیں۔ اب ہم نافرمانی سے بغاوت تک آ پہنچے ہیں' نفس کے بندے بن گئے ہیں' اپنے رب کے غضب کو دن دہاڑے دعوت دیتے ہیں' اسلام کے نظام کی برکات کا مثلہ کر رہے ہیں' دین حق کا قیام تو کیا ہم اجتماعیت کے اس بنیادی نظم و ضبط سے بھی محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں جو ولایتی آقاؤں نے اپنی خدمت میں سلیقہ پیدا کرنے کے لئے ہمیں سکھایا تھا۔ دین کو ہاتھ سے دے کر ملت آزاد ہوئی تو یہ تو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ ہاں دنیا پر ہم نے خوب ہاتھ مارا۔ اگر ہماری قدروں کی ترتیب الٹی ہوگئی ہے تب ضرور جشن کا موقع ہے۔ آؤ جشن منائیں۔ پتھر کے صنم پوجنے والوں کی قید سے رہا ہو کر مال و دولت دنیا اور رشتہ و پیوند کے بتان وہم و گماں کے اسیر ہو جانے کی خوشی کا جشن۔ آؤ جشن منائیں لیکن چودہ اگست کے دن کیوں جو تاریخ کا حصہ بن گیا اور پھر کبھی لوٹ کے نہ آیا۔OO

(ماخوذ از ہفت روزہ "ندا" ۱۶/ اگست ۸۸ء)

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا!

نجیب صدیقی

ایسے کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی موت پر لوگ تڑپ جاتے ہیں' ان کی موت کو تسلیم کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایسے ہی گنے چنے لوگوں میں محترم اقتدار احمد مرحوم تھے۔ ان میں تڑپانے والی بات کیا تھی؟ مرحوم سراپا متحرک تھے' جس بات کو انہوں نے سمیم قلب قبول کیا اس میں اپنے سراپا کو جھونک دیا۔

جب تک جماعت اسلامی میں رہے' اپنے ہم عصروں میں نمایاں رہے۔ تنظیم اسلامی نے انکی صلاحیت کو نمو بخشی اور انہوں نے تنظیم اسلامی کو بہت کچھ دیا۔ ہفت روزہ "ندا" جب تنظیم اسلامی کے افق سے طلوع ہوا تو لوگ حیران رہ گئے کہ اس کے مدیر میں اتنی بے بہا صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ پھر کیا تھا "ندا" میں ادب کے وہ گل ہائے رنگ کھلے کہ چمن ادب لالہ زار ہو گیا۔ کسی بھی خشک مضمون کو ادب کے جامہ میں ڈھال کر اسے دلچسپ انداز دینا' یہ مرحوم کی انفرادیت تھی۔ ان کی تحریر میں خوبصورت' خوبصورت چھوٹے چھوٹے جملے ہار میں نگینہ کی طرح چمکتے تھے۔

فرائض دینی کا تصور یا اقامت دین کو آپ جس انداز میں بھی بیان کریں ذہن پر اس کی گراں باری ضرور محسوس ہو گی۔ مگر یہی مضمون مرحوم تمثیلوں اور جملوں کی نئی تراکیب استعمال کر کے' اس انداز میں بیان کرتے تھے کہ اپنے قلم کی داد وصول کرتے تھے۔

سفرنامے کو تو انہوں نے "دعوت" کا انداز دیا۔ وہ زمین جہاں کبھی توحید کا ڈنکہ بجتا تھا آج دین کے اعتبار سے بے آب و گیاہ اور بنجر ہو گئی ہے۔ مرحوم نے اس زمین سے کرید کرید کر تاریخ کے وہ موتی اپنے سفرنامے میں سجائے ہیں کہ پڑھنے والا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی اپنے اندر پیاس محسوس کرتا ہے۔ اس میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ اے کاش پھر وہ وقت آئے جب دنیا کے طول و عرض میں اس کا کلمہ بلند ہو۔

مرحوم اب ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی یاد کی ایک خلش' ایک کسک دل میں موجود ہے۔ ان کے ہزاروں ساتھی اس مشن کی "مشعل" کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جس میں ان کی بھرپور صلاحیتوں کا تیل بھی جل رہا ہے۔ انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اس مشن کو اور تیز کیا جائے اور تیز کیا جائے!!OO

بقیہ : مکتوب کراچی

دہشت کی وہ فضا جو اس وقت کراچی پر مسلط ہے دور ہو جائے گی۔ عوام الناس تو ایک عرصہ سے آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کوئی مسیحا آئے اور ہمارے حالات کو درست کر دے۔ وعظ و تلقین کے اثرات ان دلوں پر ہوتے ہیں جن میں خوف خدا ہو۔ ہم خدا کے خوف سے یکسر آزاد ہو گئے ہیں' جس کی وجہ سے دوسرے خوف ہم پر مسلط ہو گئے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان کے مقصد وجود سے انحراف کی سزا ہمیں مل رہی ہے' میں کہتا ہوں کہ آج کا انسان اپنے مقصد وجود سے انحراف پر تلا بیٹھا ہے۔ اس کی سوچ اس طرف نہیں ہے۔ وہ جانتا ہی نہیں ہے کہ اس کے وجود کا مقصد کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ وہ حیوانی سطح سے بلند ہونا نہیں چاہتا۔ آج دنیا کے انسانوں کا سفر حیوانی سطح تک آ چکا ہے۔ انسانیت کے اسی المیہ سے ہم دوچار ہیں۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

"کہ غیرت نام تھا جس کا گئی "اسلام" کے گھر سے"

سرکاری سرپرستی میں بے حیائی کے نئے فتنے

ٹیلی ویژن پر کنڈم کا عریاں اشتہار کس ثقافت کا غماز ہے؟

کموڈور (ریٹائرڈ) طارق مجید

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں فحاشی اور بے حیائی کا جو سیلاب لایا گیا ہے اس میں اب نئے طوفان برپا کئے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں ٹیلی ویژن پہ مانع حمل جھلی (کونڈم) کی باقاعدہ تشہیر شروع کر دی گئی ہے۔ ابتداء میں چند دن کونڈم کا اشتہار رات کو دکھایا گیا۔ ماہ مئی کے آخر سے یہ اشتہار شام ہی سے دکھایا جا رہا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جسے ٹیلی ویژن کی زبان میں "پرائم ٹائم" کہتے ہیں جبکہ ناظرین' مرد' عورتیں' نوجوان' بچے بہت زیادہ تعداد میں ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

بے حیائی کی علامت کا یہ اشتہار کسی ایک ڈرامے کے دوران ہر بیس' پچیس منٹ کے بعد "ہمدم" کے نام سے نشر کیا جاتا ہے۔ شریف گھرانوں میں والدین اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹیلی ویژن دیکھ نہیں سکتے اور نہ ہی بروقت انہیں اس اشتہار کے منظر سے روک سکتے ہیں! سائیکالوجی اور سوشیالوجی (عمرانیات) کے ماہرین کا کہنا ہے کہ کونڈم کے اخبارات' رسائل اور ٹیلی ویژن میں پیش ہونے والے اشتہار دیکھنے والوں کے ذہنوں میں مرد و عورت کے جماع و اختلاط اور ان کے پوشیدہ تولیدی اعضاء کے تصورات پیدا کرتے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پاکستان کو "امداد" دینے والے مغربی ممالک اور اقوام متحدہ کے ادارے "یونیسیف" عالمی بینک' عالمی صحت کا ادارہ ایک عرصے سے اصرار کر رہے ہیں کہ پاکستان میں بچوں اور نوجوانوں کو جنسیات (SEX) کی باقاعدہ تعلیم دی جائے اور کونڈم کو لوگوں میں زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ مصر کے شہر قاہرہ میں ستمبر ۱۹۹۴ء میں جو پاپولیشن (آبادی کی) کانفرنس ہوئی اور جس میں پاکستان کی وزیرِ اعظمٰی بنفس نفیس شریک ہوئی ہیں اس کا تمام تر زور جنسی اور فحاشی کی آزادی پہ تھا۔ اس کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کے مطابق ارکان ممالک' جن میں پاکستان شامل ہے کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ جنسی تعلیم کا بندوبست کریں اور لوگوں میں جنسیاتی معاملات' جن میں کونڈم کا استعمال سرفہرست ہے' کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیں۔

یاد رکھئے کہ "کونڈم" کی جو اشتہار بازی شروع کی گئی ہے اگرچہ فحاشی کی ترغیب دینے اور لفظ "کونڈم" کو لفظ ریپ (Rape) کی طرح عام کرنے کی طرف ایک بہت بڑا قدم ہے' لیکن یہ صرف ایک ابتدائی قدم ہے۔ اگر پاکستانی قوم کے قیادتی حلقے اس پہ خاموش رہے تو بہت جلد یہ فتنہ غلیظ تر صورتوں میں سامنے لایا جائے گا۔ امریکہ میں اس کی واضح مثال موجود ہے۔ کونڈم کی اشتہاری مہم وہاں پہلے اسی طرز پہ شروع ہوئی جیسے کہ پاکستان ٹیلی ویژن نے اپنائی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں وہاں کونڈم کا ایک اشتہار لگاتار دکھایا جا رہا تھا' جس کی صورت مندرجہ ذیل تھی۔ ٹیلی ویژن کے منظر میں ایک سات' آٹھ سال کی بچی سکول جانے کے لئے گھر کے دروازے سے نکلی ہے۔ ماں جلدی سے دروازے کے قریب آ کے بلند آواز میں پکارتی ہے۔

"Dear! Have you packed the Condom in your bag?"

"پیاری بچی! تم نے اپنے سکول کے بستے میں کونڈم رکھ لیا ہے نا؟"

جنسی آزادی اور جنسی تعلیم کے نام پہ بدکاری کی جن شیطانی حدود تک امریکہ اور دیگر مغربی ممالک پہنچ چکے ہیں' وہی اب باقی دنیا خصوصاً مسلم ممالک میں بتدریج لائی جا رہی ہیں۔

مانع حمل جھلی کو فروغ دینے کے لئے ایک دوسرا انتہائی شرمناک فتنہ بھی شروع کیا گیا ہے۔ کونڈم کے پیکٹوں کو فاحشہ عورتوں کی تصاویر سے مزین کیا گیا ہے۔ تصویریں عریانی اور فحش زاویئے پیش کرتی ہیں اور اتنی شرمناک ہیں کہ انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن نے ہماری اخلاقی اقدار اور غیرت پہ زبردست تازیانہ لگایا ہے۔ وہ پاکستانی مسلمانوں کو چیلنج کر رہا ہے! کہاں ہیں تمہارے اخلاقیات کا درس دینے والے مشائخ و صوفیاء' کثرت علم سے لدے ہوئے علماء' دین کے گن گانے والے خطیب' مولوی حضرات اور اسلام کے نام پہ دنیا بھر میں لڑنے والے مجاہدین!! ہمت ہے تو ہمارے فتنوں کو روک کے دکھاؤ!

ماضی میں مانع حمل اشیاء صرف کیمسٹ یعنی دوا فروشوں سے مل سکتی تھیں لیکن اب یہ پیکٹ جنرل مرچنٹ دکانوں پہ بھی عام رکھے ہوئے ہیں۔

دین کا دفاع کرنے والوں کا یہ عذر کہ ہم ٹیلی ویژن نہیں دیکھتے اور ہم اسلام دشمن عناصر کے فتنوں سے واقف نہیں' نہ اس دنیا میں قابل قبول ہو سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ اپنی تنظیموں کے ساتھ یا اپنے انفرادی وسائل کے ساتھ اٹھئے اور ان نئے فتنوں کو روکئے۔ یہ فوری ضرورت ہے۔ اس کام میں موجودہ حکومت' پارلیمنٹ اور مسلم لیگی اپوزیشن سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ سب ان بیرونی عناصر کے تابع ہیں جن کے اشاروں پہ یہ فتنے برپا کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اگر آپ خلوص' عزم اور فراست سے دین کے دفاع کے لئے اٹھیں گے تو رب العزت کی مدد آپ کے ساتھ ہو گی کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے۔OO

کچھ ذکر "زبانِ یار من ترکی" کا

کتاب کا اسلوب نگارش ادیبانہ اور دلکش ہے

اقتدار احمد مرحوم کی یہ علمی و ادبی کاوش ترکی کی قدیم و جدید تہذیب و ثقافت کو سمجھنے کے لئے کلید کی حیثیت رکھتی ہے

مولانا محمد اسحاق بھٹی

(مدیر سہ ماہی "المعارف" ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ "ثقافت اسلامیہ" لاہور)

نام کتاب : زبان یار من ترکی.....
مصنف : اقتدار احمد
ناشر : مکتبہ وحدت ملی ۴۰۔بی اردو بازار' لاہور
صفحات ۱۸۶' بہترین کمپیوٹر کی کتابت' شاندار کاغذ
عمدہ طباعت : نفیس رنگین جلد
قیمت : ۱۲۰ روپے

کتاب "زبان یار من ترکی..." اپریل ۱۹۹۵ء میں چھپی اور مصنف نے یہ الفاظ لکھ کر مجھے بھیجی۔ "بخدمت جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب' احترام فراواں کے ساتھ۔ اقتدار احمد عفی عنہ ۔ ۲۸ اپریل ۹۵ء۔"

مئی کی کسی تاریخ کو شب کے نو بجے محمد سلیمان صاحب کی معرفت یہ کتاب مجھے ملی۔ اسی لمحے پڑھنا شروع کر دی اور اس وقت چھوڑی جب اس کے آخری صفحے "مسجد سلیمانیہ استنبول کا اندرونی منظر" تک پڑھ ڈالی۔ پھر مصنف کو شکریے کا خط لکھا جس میں چند الفاظ میں کتاب کے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے۔ اس اثنا میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے صاحب زادے عزیزی حافظ عاکف سعید کا ٹیلی فون آیا کہ "آپ کو کتاب مل گئی"؟ جواب دیا : کتاب مل گئی۔ پڑھ بھی لی اور اقتدار احمد صاحب کو شکریے کا خط بھی لکھ دیا۔

اس کے بعد ۶ جون کو صبح نو بجے ہوں گے' میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن سے ٹیلی فون آیا کہ آج صبح اقتدار احمد صاحب وفات پا گئے ہیں' چھ بجے قرآن اکیڈمی میں ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یہ نہایت افسوسناک خبر تھی جو وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ ٹیلی فون کر کے اس کی تصدیق کی گئی۔ سیانوں کا کہنا ہے کہ موت کی خبر جھوٹی نہیں ہوتی۔ چنانچہ دوبارہ وہی جواب ملا جسے سننے کے لئے طبیعت آمادہ نہ تھی۔ نہایت حزن و ملال کے ساتھ جنازے میں میں شامل ہوا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے اظہار تعزیت کیا اور واپس چلا آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب حیران ہوں کہ کتاب کے بارے میں کچھ عرض کروں یا صاحب کتاب کے بارے میں' میری دونوں سے آشنائی ہے۔

اقتدار احمد سے' جنہیں اب جی کڑا کر کے مرحوم لکھنا اور کہنا پڑے گا' ایک مدت سے مراسم تھے۔ وہ اگرچہ اچھے خاصے کاروباری تھے' تاہم مجھے ہوئے صحافی بھی تھے۔ ملک نصراللہ خان عزیز مرحوم کے ساتھ روزنامہ "تسنیم" میں بھی کام کرتے رہے اور ان کے ہفت روزہ "ایشیاء" سے بھی منسلک رہے۔ وہ ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی تھے اور وہی ذہن' وہی فکر اور وہی نقطہ نظر رکھتے تھے جو ڈاکٹر صاحب کا ہے۔ اسی کے مبلغ اور اسی کے داعی تھے اور اسی پر عامل۔ کئی سال ہفت روزہ "ندا" جاری کئے رکھا اور اب کچھ عرصے سے "ندائے خلافت" کے مالک و مدیر تھے۔ اور یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ ان کی ندائے مخلصانہ انہیں خلافت کی منزل تک پہنچا دے گی۔

وہ ڈاکٹر صاحب کا بہت بڑا سہارا تھے۔ زبان صاف ستھری اور اسلوب نگارش ادیبانہ و دلکش۔ ہر مسئلے کو اعتدال و توازن کے ساتھ ہدف بحث ٹھہراتے اور خوبصورت انداز میں اسے آگے بڑھاتے جاتے۔ ان کا اظہار مدعاء کا ایک خاص رنگ تھا۔ کڑوی گولی کو شکر میں لپیٹ کر کھلانے کے ڈھنگ سے وہ آگاہ تھے۔ مختلف شعراء کے بہت سے اشعار نہیں زبانی یاد تھے اور ان اشعار کو اپنی نثر میں بہ صورت نثر بیان کرنے کا سلیقہ انہیں خوب آتا تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد کی طرح بلند آہنگ نہ تھے' بلکہ خاموش آہنگ تھے۔

کچھ مدت سے وہ بیمار تو تھے لیکن یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ ان کا کاروان حیات اس سفر کی آخری منزل میں پہنچ گیا ہے' جس کا آغاز ۲۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو ہوا تھا' اور اب موت ان کے در زندگی پر کھڑی انہیں آوازیں دے رہی ہے۔

وہ آسودہ حال کاروباری آدمی تھے۔ انہوں نے مختلف اوقات میں مختلف ملکوں کے سفر کئے۔ ہر سفر سے واپس آ جاتے تھے لیکن اب وہ جس سفر پر گئے ہیں' اس سے کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ ان کے

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

> مرحوم اقتدار احمد کی کتاب "زبان یار من ترکی" پر معروف ادیب و صحافی جناب حافظ افروغ حسن صاحب کا نہایت بھرپور اور مفصل تبصرہ "اردو ڈائجسٹ" کے جولائی کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو وہ "ندائے خلافت" کے آئندہ شمارے میں قارئین کی نظروں سے گزرے گا۔ (ادارہ)

"وہ اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد کی طرح بلند آہنگ نہ تھے' بلکہ خاموش آہنگ تھے"

نامے میرے نام...

مکرمی برادرم اسرار احمد صاحب!
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میثاق کے تازہ شمارہ سے یہ اندوہناک خبر ملی کہ برادرم اقتدار احمد خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

"ندائے خلافت" کافی عرصہ سے میرے پاس نہیں آ رہا تھا ورنہ یہ خبر پہلے مل چکی ہوتی "وللہ ما اعطی ولہ ما اخذ وما نقول الا ما یرضی ربنا"

گو میرا برادرم اقتدار احمد سے اتنا ربط نہیں رہا لیکن ۸۸ء کی منعقدہ کانفرنس (لندن) میں ان سے تفصیلی ملاقات رہی، جس کا گہرا نقش دل پر باقی ہے اور پھر پہلے "ندا" اور پھر "ندائے خلافت" کے صفحات پر بکھری ہوئی ادبیت اور شعریت سے بھرپور ان کے قلم کی گلکاریاں، ان کے فکر کی پختگی، اداء معانی کے اظہار پر مکمل قدرت اور اپنے نقطہ نظر کی بہترین ترجمانی کی غماز تھیں۔

"ندا" اور پھر "ندائے خلافت" کے صفحات پر بکھری ہوئی ادبیت اور شعریت سے بھرپور ان کے قلم کی گلکاریاں، ان کے فکر کی پختگی، اداء معانی کے اظہار پر مکمل قدرت اور اپنے نقطہ نظر کی بہترین ترجمانی کی غماز تھیں"

دعوت اللہ کے ضمن میں عموماً اور خلافت کے سلسلہ میں خصوصاً آپ کے فکر کا دفاع انہوں نے بڑی سرگرمی سے کیا اور خوب کیا۔

سفرناموں کی شکل میں اپنی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات انہوں نے بڑی خوبصورتی سے رقم کئے اور بعض جگہ ان کی وقائع نگاری میں نے بہت ہی موثر پائی۔ "ندائے خلافت" میں ان کا کالم گو جریدہ کے آخری صفحات میں جگہ پاتا تھا لیکن میرے لئے اس جریدہ کی سب سے پہلی کشش رہا۔

دعاگو ہوں کہ اللہ عزوجل آپ کو اور تمام لواحقین کو اس عظیم صدمہ پر صبر جمیل عطا فرمائیں اور مرحوم اقتدار احمد کی لغزشوں کو معاف فرمائیں اور دین حق کی سربلندی کے لئے ان کی کاوشوں اور زندگی بھر کی ظاہری و باطنی نیکیوں کو ان کے لئے سرمایہ نجات بنادیں۔

والسلام، شریک غم
(مولانا) ڈاکٹر صہیب حسن، لندن

حضرت مکرم و محترم ڈاکٹر صاحب
السلام علیکم

آج شام کو مجھے میثاق ملا، جس میں مرحوم و مغفور اقتدار احمد صاحبؒ کے وصال کی خبر پڑھی، بے حد صدمہ ہوا۔ ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کے علاوہ میرے ساتھ چند مختصر ملاقاتوں میں جس خلوص، محبت اور اپنائیت کا برتاؤ کیا، میں ان سے بڑا متاثر ہوں۔ ان کی پرتاثیر تحریروں میں میرے لئے بڑی کشش تھی، تحریک کے ساتھ ان کا تعلق مخلصانہ تھا۔ ذاتی صدمہ کے علاوہ اقتدار صاحب کی جدائی کا آپ کو جس قدر صدمہ ہوا ہوگا اس کا بھی مجھ پر اثر ہے۔ وہ آپ کے بڑے مخلص فداکار تھے۔

اقتدار صاحب کے جملہ اعزاء کو میری طرف سے انتہائی غم زدہ تعزیت پیش کردیں۔ والسلام
(مولانا) سید اخلاق حسین قاسمی
دہلی۔ انڈیا

محترمی و مکرمی! السلام علیکم

ماہنامہ "میثاق" کے جولائی کے شمارے میں، جو مجھے کل ہی ملا ہے، یہ روح فرسا خبر پڑھی کہ آپ کے برادر عزیز جناب اقتدار احمد صاحب دنیائے فانی سے عالم فانی کی طرف انتقال کر گئے --- اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں کئی مرتبہ لاہور میں آپ کے ہاں حاضر ہوا، جملہ عزیزان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں صرف مرحوم سے کوئی ملاقات نہ ہو سکی۔ ساہیوال میں انہیں جیسے دیکھا تھا وہی نقشہ سامنے گھومتا ہے۔ لاہور منتقل ہو جانے کے بعد کیسی کیسی خوشگوار تبدیلیاں ان میں آئیں، یہ میثاق سے معلوم ہوتا رہا۔ نہ صرف دینی مزاج انہیں حاصل ہوا بلکہ اقامت دین کے کام میں وہ آپ کے دست و بازو بن گئے۔ تھوڑی سی مہلت انہیں ملی مگر اس میں بھی انہوں نے اپنے قلم کو اپنے دل کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں جھکا دیا۔

خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود

اقتدار صاحب کا اس دنیا سے چلے جانا آپ کے لئے ایک بھائی کا داغ مفارقت ہی نہیں ایک جان نثار ساتھی کے جانے کا غم بھی ہے --- مگر کون اس سرائے فانی میں ہمیشہ رہا ہے۔ ایک ایک کر کے سب گئے، جا رہے ہیں، جاتے رہیں گے۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ بچہ، بوڑھا، عورت، مرد، دانا، ناداں، جاہل، عالم، چھوٹا، بڑا سب کا مقدر موت ہے۔ کسی کو اس سے مفر نہیں۔

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو براجمان تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشاں نہیں

دعا ہے کہ اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین
خاکسار، شیر محمد شاہ
ضلع پاک پتن

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

کل شام سفر سے واپس آیا تو "ندائے خلافت" دیکھا اور جناب اقتدار احمد صاحب کی وفات کا پتہ چلا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ سانحہ ارتحال پڑھ کر بہت دکھ ہوا، اور عمق قلب سے عاجزانہ التماس نکلی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم کے طفیل مرحوم کو ظل عاطفت و مغفرت میں جگہ دیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین

اگر موقع ملا تو حاضر خدمت ہوں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے اور مرحوم کے حافظ و ناصر ہوں۔ آمین

والسلام مع الاکرام
(پروفیسر) غازی احمد
میانی، ضلع چکوال

محترم و مکرم جناب ڈاکٹر صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

کل ملنے والے "ندائے خلافت" کے پرچہ میں یہ افسوس ناک خبر نظر سے گزری کہ جناب اقتدار احمد صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ میری ان سے انتہائی مختصر اور وہ بھی اجتماع میں ملاقات ہوئی تھی لیکن احباب کے تاثرات پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی تحریک اور آپ کے لئے بیش قیمت سرمایہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد میں صرف کیا، جس کا انہیں یقیناً بہت بڑا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور آپ کو اور انکے دیگر پسماندگان کو صبر و استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

(مولانا مفتی) سید محمد جمال الدین کاظمی
امیر تحریک اسلامی انقلاب پاکستان، کراچی

"ندائے خلافت" کے بانی مدیر جناب اقتدار احمد مرحوم کے سانحہ ارتحال پر ہمیں کثیر تعداد میں جو خطوط موصول ہوئے تھے ان میں سے منتخب خطوط کو ہم نے گزشتہ خصوصی شمارے میں شائع کر دیا تھا۔ ہمارے احباب میں سے بعض کو مرحوم کے انتقال کی خبر ماہنامہ "میثاق" اور "ندائے خلافت" کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ ان کے تعزیتی خطوط ہمیں بعد میں موصول ہوئے۔ گزشتہ شمارے کی طرح اس بار بھی ان میں سے منتخب خطوط ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

محب محترم جناب ڈاکٹر صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میثاق و حکمت قرآن کے جولائی ۹۵ء کے شماروں کے ذریعہ جناب اقتدار احمد صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کا علم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے بھائی تھے اور موید بھی جو تنظیم اسلامی سے باقاعدہ منسلک تھے' اور جو اس کے بازوئے شمشیر زن تھے۔ اس لئے آپ کا دکھ دوہرا ہے ہم پاشکستہ کسی بھی دینی محاذ پر برسرپیکار افراد کے لئے محض حبا اللہ کے تحت عمدہ جذبات رکھنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں' اس لئے اس محبت کے تحت ایک دینی کمانڈر کے فقدان پر "التعزیہ للمصاب سنہ" کے طور پر تعزیت پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر دے اور وہ دین کی سربلندی کے لئے جس جذبے کے تحت خدا کے حضور پیش ہوئے ہیں وہ باعث بخشش ہو گا' ان شاء اللہ۔ عاجز شریک غم ہے۔

قاضی محمد حمید فضلی
مدیر ماہنامہ "فیض" شیر گڑھ' ضلع مانسہرہ

جناب محترم ڈاکٹر صاحب زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محترم عبدالرزاق صاحب کے ذریعے جناب اقتدار احمد صاحب مرحوم کی وفات کی بابت معلوم ہوا' وہ آپ کے مخلص جسمانی بھائی اور اس پر مستزاد زبردست فکری اور نظریاتی معاون و مددگار تھے۔ چنانچہ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفویض کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے' پھر بھی طبعی انسانی کوشت سے خاصے متاثر ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو' اقتدار صاحب مرحوم کے اہل و عیال کو اور پورے خاندان کو اس ناگہانی صدمے کا بیش از بیش اجر و صلہ عطا فرمائے۔ مرحوم کو رضائے الٰہی اور جنت کے درجات عالیہ سے مشرف فرمادے۔ اقتدار صاحب کی اولاد میں حمید احمد مرحوم کے علاوہ کسی سے شناسائی نہیں ہے' ہاں ان کے بڑے صاحبزادے اسعد کو ایک موقعہ پر دیکھا تھا۔ اگر ممکن ہو تو بندہ کی جانب سے تعزیت عرض کی جائے۔ عاکف اور دوسرے صاحبزدگان اور اکیڈمی کے متعلقین کو دعا و سلا

والسلام
(مولانا) الطاف الرحمٰن بنوی' پشاور صدر

محترم ڈاکٹر صاحب!
السلام علیکم!

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا سوچ رہا تھا کہ اپنے مربی اور محسن جناب اقتدار احمد صاحب کے انتقال پر آپ سے تعزیت کے بہانے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کروں۔ ڈاکٹر صاحب! اقتدار صاحب میرے لئے بہت بڑا روحانی اور مادی سہارا تھے۔ ویسے تو اگر وہ ہفت روزہ "ندا" نہ نکالتے تو شاید میں بھی لاہور کی درسگاہوں میں بندوق برداروں کی گولیوں کا نشانہ بن چکا ہوتا یا پھر "اسلامی انقلاب" کے نام پر دو چار خون کر کے کسی جیل میں پڑا ہوتا۔ لیکن انہوں نے' اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت بخشے' "ندا" کے ذریعے مجھے دنیائے صحافت سے متعارف کرایا۔ جناب عبدالکریم عابد اور جناب مسعود اشعر جیسے دھیمے مزاج کے دانشوروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ اس بڑے گھر میں کون میرا بے تابی سے انتظار کرے گا جہاں پر اقتدار احمد میرے منتظر رہتے تھے۔ آخری ملاقاتوں میں ان کو بیماری کے ہاتھوں بکھرتا دیکھ کر میں نے انہیں کہا تھا کہ اقتدار صاحب! ہم آپ کو جری سپہ سالار کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ کرب کے ان کڑے لمحات میں بھی وہ ادھوری مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی موت کا وقت معین ہے' اب بلاوا آچکا ہے' تم کیوں گھبراتے ہو!

ڈاکٹر صاحب! آپ جیسے بڑے آدمی سے تعزیت کرنا عجیب سا لگتا ہے۔ خاص طور پر ایسے وقت جب خود مجھے ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے --- کیونکہ جناب اقتدار احمد کے انتقال سے خود میرے سر سے ایک شجر سایہ دار ختم ہو گیا ہے ---- آپ میرے لئے دعا کیجئے گا اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راہ پر گامزن رکھے۔ جناب اقتدار احمد کی یادیں اور باتیں میرے لئے سرمایہ حیات ہیں۔ محمد اسلم خان
ایڈیٹر پندرہ روزہ "آواز" اسلام آباد

مخدوم محترم' بزرگوارم' حضرت اقدس مفسر قرآن جناب ڈاکٹر صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

عرض ہے کہ آج ماہنامہ "میثاق" ماہ جولائی' ملا۔ سرسری نظر میں سب سے پہلے صفحہ نمبر ۵ پر آپ کے برادر عزیز جناب اقتدار احمد مرحوم کی وفات کے سانحہ سے مطلع ہوا۔ ہم دور دراز علاقے میں رہتے ہیں' اس وجہ سے ہمارے ہاں اخبارات وغیرہ نہیں آتے۔ روزنامہ "نوائے وقت" روزانہ مطالعہ کے لئے مل جاتا ہے لیکن اس میں کہیں نہیں پڑھا۔ واقعی آپ کے لئے اس وقت ایسے جان نثار بھائی کی وفات زیادہ صدمے کا باعث ہے۔ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی اور ملی جذبہ خوب عطا فرمایا تھا اور تنظیم اسلامی کے لئے مرحوم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمادے اور آپ حضرات کو صبر جمیل عطا فرمادے۔ میری طرف سے تمام اعزہ و لواحقین کو تعزیت عرض ہے۔ اسی صفحہ پر تحریر تھا کہ مرحوم کے بارے میں "ندائے خلافت" کا خصوصی شمارہ شائع ہو گا۔ استدعا ہے کہ مدرسہ کے لئے "ندائے خلافت" کا یہ خصوصی شمارہ ضرور ارسال فرمادیں۔ ندا کے اس شمارے کا بہت انتظار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت نصیب فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔ دعاؤں کی التماس ہے۔

آپ کا مخلص
(مولانا) ایاز احمد حقانی
مہتمم جامعہ الاسلامیہ الفریدیہ
کانگڑہ شب قدر فورٹ' ضلع چارسدہ

برادر عزیز حافظ عاکف سعید صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں بیرون ملک سفر سے کل ہی واپس لوٹا ہوں اور آج ۹ جولائی ۹۵ء کو "ندائے خلافت" کا خصوصی شمارہ مجھے موصول ہوا ہے۔ یہ اشاعت خاص جناب اقتدار احمد کے انتقال پر ملال کے سلسلہ میں تھی۔ میں محترم اقتدار احمد کی وفات پر آپ سے تعزیت کے اظہار کے لئے روایتی الفاظ اور جملوں کا سہارا لئے بغیر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جہاں ایک منفرد و ممتاز صحافی اور بامقصد صحافت کی علمبردار ایک مثالی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں' وہاں میں ذاتی طور پر ایک محبت آمیز' پرخلوص اور بے ریا بزرگ دوست سے محروم ہو گیا ہوں۔ مرحوم کے زبان و قلم اور کردار میں جو مطابقت تھی وہ اس دور میں اب خال خال لوگوں ہی کا طرۂ امتیاز رہ گئی ہے۔ ان کی پہلی اور آخری کتاب پر آپ کا مضمون بھی میں نے پڑھا ہے۔ کتاب کی اشاعت کے بعد ان سے میری ملاقات نہ ہو سکی ورنہ ضرور ایک نسخہ ان کے دستخطوں سے مزین میں خود طلب

"جناب اقتدار احمد کے انتقال سے خود میرے سر سے ایک شجر سایہ دار ختم ہو گیا ہے"

کرلیتا۔

"ندائے خلافت" باقاعدگی سے مل رہا ہے' جس پر میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میری کتاب "چوتھے ستون سے مکالمہ" مرحوم کی لائبریری میں محفوظ ہوگی۔ اس میں اقتدار احمد مرحوم کا انٹرویو اگر "ندائے خلافت" میں شائع کر دیں تو مرحوم کے افکار و خیالات کا ایک خوبصورت عکس آپ کے قارئین تک بھی رسائی حاصل کرلے گا۔

آپ کا بھائی
محمد آصف بھلی
مدیر ماہنامہ "قومی زندگی" و
پندرہ روزہ "آزاد صحافت" سیالکوٹ

محترم و مکرم جناب ڈاکٹر صاحب
السلام علیکم

کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ خود آپ کی خدمت اقدس میں محترم اقتدار احمد صاحب کی وفات حسرت آیات پر افسوس کروں مگر اپنی ایک کزن جو میرے تایا زاد بھائی کی اہلیہ محترمہ تھیں' کی بیماری اور پھر وفات کی وجہ سے نہ آ سکا۔ میں یہ چند سطور اس جان یار کی یاد اور محبت میں لکھ رہا ہوں' جو میرے دل میں عزت و احترام کا وہ درجہ رکھتے تھے جو ایک سچے مسلمان کے بارے میں ہونا چاہئے۔ میں اقتدار احمد صاحب مرحوم سے کبھی نہیں ملا حالانکہ کئی دفعہ ارادہ کیا مگر ناکام رہا۔ میرے ایک عزیز دوست مسعود اشعر صاحب سابق مدیر "امروز" کے حوالہ سے اکثر ان کا ذکر رہتا اور شاید ان ہی کی تحریک سے مجھے ہر ہفتہ "ندائے خلافت" باقاعدگی سے مل رہا ہے' اس طرح ہر ہفتہ اقتدار صاحب سے ملاقات ہو جاتی اور آپ کے ایمان افروز اور فکر انگیز افکار و ارشاد سے مستفیض ہوتا۔

جب میں نے اقتدار احمد صاحب مرحوم کی دائمی جدائی کی خبر پڑھی تو سخت دکھ اور افسوس ہوا۔ ایسا افسوس جو ایک عزیز ترین ساتھی کی جدائی کا ہوتا ہے۔ آپ کو اس عظیم اور مخلص انسان کی رحلت سے جو غم ہوا ہے' میں اس کا اندازہ کر سکتا ہوں اور یہ سوچ کر کہ آپ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز من جانب اللہ ہے تو آپ کے صبر اور حوصلہ کی داد دینی پڑتی ہے۔ میں اگر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے متاثر ہوں تو صرف اس لئے کہ انسانی جرات اور عزم و حوصلہ کا آپ عظیم پیکر تھے' اور یہی خوبی اور عظمت آپ میں ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ (آمین)۔

میں اقتدار احمد صاحب کی نماز جنازہ میں شریک تھا اور انکے لئے دعائے مغفرت کر رہا تھا۔ مگر مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ آپ سے اظہار افسوس کر سکوں۔ قبرستان میں اس عظیم مجمع میں میرے صرف دو آشنا تھے' اور وہ تھے ملک افتخار احمد صاحب جو خود اس صدمہ سے مضمحل تھے' یا نذیر طارق صاحب تھے جو کہہ رہے تھے کہ اقتدار مرحوم میرے ہم جماعت اور ہمسایہ تھے۔

مگر میرا ان سے کیا رشتہ تھا۔؟ میں اس شہر خموشاں میں کھڑا سوچ رہا تھا... اور کیوں میرے قدم ان کی عقیدت و ارادت کے لئے وہاں تک پہنچ گئے تھے؟ وہ ایک عظیم و عجیب مسلمان تھا... قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی نشانی کا نمائندہ۔ اسلام کی روشنی کا عکس جمیل! مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ میں آج تک اپنے اس محسن دوست کو نہیں مل سکا جو ہر ہفتہ باقاعدگی سے "ندائے خلافت" بھیجتا تھا' اور اپنے عظیم بھائی کے درس و تدریس سے آگاہ کرتا تھا' اور یوں تبلیغ و اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کرتا تھا! اللہ تبارک تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ بخشے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ اور اہل خانہ کو ان کی دائمی جدائی برداشت کرنے کی ہمت' صبر اور حوصلہ دے۔ آمین

شریک غم
کلیم اختر' اٹاترک بلاک

محترم ڈاکٹر صاحب' امیر تنظیم اسلامی
السلام علیکم

"ہمیں یہ الم ناک اطلاع ملی ہے کہ آپ کے برادر عزیز محترم و مکرم اقتدار صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے لئے یہ مرحلہ بڑا کٹھن ہے کہ ہم ایک ایسے عالم سے تعزیت کریں جو اپنے سینے میں قرآن حکیم کے درس کا سمندر محفوظ کئے ہوئے ہے اور جو موت و حیات کی حقیقتوں کو نہ صرف خوب گہرائیوں سے سمجھتا ہے بلکہ سارے عالم میں تنظیم اسلامی کے رفقاء کو و دیگر تمام مسلمانوں کو آگاہی بخشتا رہتا ہے اور اپنے دل کے اضطراب چھپائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر کی تلقین کرتا رہتا ہے' اور ہماری اصل منزل مقصود کی نشاندہی کرتا رہتا ہے' جو ہمیں اکثر خبردار کرتا ہے کہ ہم سب کو جلد یا بدیر اپنے خالق حقیقی کے ہاں لوٹ کر جانا ہے۔ جہاں سے کبھی واپس نہیں آنا ہے۔

بربنائے تقاضائے بشریت ہم برداشت کی شہ رگ کو چھو لینے والا صدمہ سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ تمام حضرات کے شریک غم ہیں' اور آپ کے ساتھ دعاؤں میں شریک ہیں کہ پروردگار عالم مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ہم تمام رفقاء تنظیم اسلامی کی جانب سے تمام اہل خاندان سے تعزیت فرما دیجئے اور سب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کیجئے۔ شکریہ"

غمگساران رفقاء تنظیم اسلامی
الریاض۔المملکتہ العربیہ السعودیہ

"اگر وہ ہفت روزہ "ندا" نہ نکالتے تو شاید میں بھی لاہور کی درسگاہوں میں بندوق برداروں کی گولیوں کا نشانہ بن چکا ہوتا یا پھر "اسلامی انقلاب" کے نام پر دو چار خون کر کے جیل میں پڑا ہوتا... لیکن انہوں نے مجھے دنیائے صحافت سے متعارف کرایا"

ان رفقاء و احباب کے اسماء گرامی جن کے خطوط شائع نہیں ہو سکے

چودھری شوکت علی' اسلام آباد
قاری خیر محمد الدیروی' داود' سندھ
مختار احمد ملک' کینیڈا
ڈاکٹر احمد نور' اسلام آباد
حاجی سید قادر علی شاہ' کراچی
روبینہ منصور' سرگودھا
ملک سردار بخش' تلہ گنگ' چکوال
محمد سمیع' کراچی
سید امتیاز حسین بخاری' راولپنڈی
حکیم احسان الحق اعوان' منڈی بہاؤ الدین
محمد رمضان خان' الینائز' امریکہ
ظفر عزیز خان' بالون' امریکہ

محترمی و مکرمی' السلام علیکم!

"ہمارے امیر صاحب کے بھائی اقتدار احمد صاحب کا اس دنیائے فانی سے رحلت فرما جانے کا بھائی عبدالرزاق صاحب نیازی کے خط سے معلوم ہوا۔ ہمیں یعنی تنظیم

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

بقیہ : نامے میرے نام

اسلامی "الحبیل" کے تمام رفقاء کو بے حد دلی صدمہ ہوا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مجاہد بندے کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت نعیم میں جگہ عطا فرمائے' اور ہمارے امیر صاحب اور ان کے تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ حقیقت میں ہم سب نے اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ دنیا صرف ہمارے لئے امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کے دن کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے"۔

والسلام مع الاکرام
نصراللہ خان' رفیق تنظیم اسلامی
الحبیل' سعودی عرب

جناب امیر محترم' السلام علیکم ورحمتہ اللہ
"ندائے خلافت" میں محترم المقام جناب اقتدار احمد صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر گہرا رنج و غم ہوا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے دست و بازو ہونے کے سلسلہ میں آپ پر کیا بیتی ہوگی؟ وہ ایک عظیم انسان' اسلام کے عظیم سپوت اور تنظیم اسلامی میں ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔

میری ملاقات جو کہ آخری اور پہلی ثابت ہوئی اپریل میں ملتزم رفقاء کی خصوصی مشاورت کے موقع پر "خیام بنو مختار" میں ہوئی تھی' چونکہ سٹیج سے بتایا گیا کہ اقتدار صاحب لیٹ کر پروگرام سن رہے ہیں اسی وقت دل میں مصمم ارادہ کیا کہ ان کی تیمارداری کے لئے انشاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا۔ دوسرے دن صبح ناشتہ سے پہلے عبیداللہ اعوان کے ساتھ حاضر ہوا۔ محترم بڑے تپاک سے ملے' ناشتہ کا پوچھا لیکن ہم نے واپس پروگرام میں حاضر ہونا تھا اور انہوں نے بھی پروگرام میں آنا تھا' اس لئے جلد واپس آ گئے۔ یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ہم سے اتنے جلد جدا ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہمیں پسلیوں اور ریڑھ کی ہڈی کے ٹیسٹ کے متعلق بتایا اور فرما رہے تھے کہ بیماری سے کافی افاقہ ہے"۔

والسلام' مخلص
سراج الحق' شیخوپورہ

بقیہ : کتاب نامہ

سفروں کی کچھ رودادیں ہیں جو ان کی یاد دلاتی رہیں گی اور ان کے ساتھ بیتے ہوئے واقعات سے پڑھنے والوں کو آگاہ کرتی رہیں گی۔ انہی رودادوں میں ان کی کتاب "زبان یار من ترکی"... ہے۔

یہ کتاب اقتدار احمد صاحب کے سفر استنبول کی تاثراتی روداد ہے۔ ۱۹۹۲ء میں آئی ایم اے یعنی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کا دوسرا بین الاقوامی کنونشن استنبول میں ہوا تھا' جس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مہمان مقرر کے طور پر دعوت شرکت دی گئی۔ اقتدار احمد بھی اس میں شریک ہو گئے اور پھر انہوں نے اس سفر کو الفاظ و حروف کے سانچے میں ڈھال کر کتابی شکل میں پیش کر دیا۔ یہ ایک دلچسپ روداد اور دلاویز کہانی ہے جو خوب صورت الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

ترکی کے ساتھ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو دور ماضی میں بھی انتہائی جذباتی تعلق رہا ہے اور اب بھی ہے۔ ۱۹۱۹ء کی تحریک خلافت کا تعلق درحقیقت اسی ملک سے تھا جس نے نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی بے حد متاثر کیا اور اس کے اثرات دور دور تک پہنچے۔

زیر نظر کتاب میں ترکی میں رونما ہونے والی متعدد تحریکوں کا نہایت عمدہ انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ترکی کی پرانی تاریخ حکمرانی' خلافت عثمانیہ کا تذکرہ' اس دور کے بعض ملوک و سلاطین کا اسلوب حکومت' قدیم ترکی' جدید ترکی' وہاں کی مسجدیں' وہاں کی تہذیب' ثقافت' وہاں کے باشندوں کا نہج حیات' مدارس و مکاتب' غرض اس ملک کے تمام پہلوؤں کو صفحات قرطاس میں منتقل کر دیا گیا ہے' اور اس کے ماضی اور حال کی فضاؤں سے جو مستقبل کی شاہراہ نکلتی ہوئی نظر آتی ہے' اس کی نشان دہی بھی مصنف نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق کر دی ہے۔

ترکی کو سمجھنے اور اس کے سیاسی' اسلامی اور تہذیبی و ثقافتی مناظر سے باخبر ہونے کے لئے یہ کتاب بڑی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے یہ زبان و اسلوب کی ایک نئی اور دلرباجت سے قاری کو متعارف کراتی ہے۔

اقتدار مرحوم کی یہ آخری تصنیفی نشانی ہے۔ تاریخ و ادب اور اسلوب بیان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔OO

(بشکریہ ہفت روزہ الاعتصام' ۱۴ جولائی ۹۵)

بقیہ : حدیث امروز

امراء کے پھینکے ہوئے گوشت کے ٹکڑے اٹھا کر گھر لے جانے والے' عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے وکیل کی فیس ادا نہ کر سکنے پر ظلم سہتے رہنے والے' سرکاری ہسپتالوں میں بیڈ کے کرایہ کے علاوہ دیگر اخراجات برداشت کرنے کی سکت نہ رکھنے پر گھر ہی میں پڑے موت کا انتظار کرتے رہنے والے' تنخواہ دار ڈاکٹروں کے پرائیویٹ کلینک کی ہوش ربا فیس ادا نہ کر سکنے پر جعلی ڈاکٹروں سے رجوع کرنے والے اسی اللہ کی مخلوق نہیں جس کی تم مخلوق ہو؟ صرف اپنے ہی حقوق کا تحفظ تو دینداری نہیں۔ تم نے دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض کے بارے میں کیا رول ادا کیا۔ یہ ہے وہ سوال جو دنیا میں آسودگی کی زندگی بسر کرنے والے ہر شخص سے یوم آخرت کو ہو گا۔ بیگم سیدہ عابدہ حسین کو 24 مربعے اراضی پھر سے کوڑیوں کے بھاؤ پانچ سال کے لئے پٹہ پر دیئے جانے کے خلاف ایک (غریب انسان) مزارعے نے دعویٰ کر دیا ہے۔ دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور دیکھیں کہ انتظامیہ اس کے ساتھ خفیہ ہتھکنڈوں کے ذریعے کیا سلوک کرتی ہے۔

اے چارہ گران قوم' اے رہبران دین خلوص نیت سے انسانی حقوق کی پاسداری کیجئے اگر آخرت میں ذلت و رسوائی سے بچنا ہے۔ محض وزارت بنا دینے اور منبر پر بیٹھے بیٹھے وعظ کرتے رہنے سے نجات ہاتھ نہ آئے گی۔

اعلان داخلہ

قرآن کالج لاہور

● ایف اے (سال اول) کے لئے داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۸/ اگست ہے۔
● انٹرویو ۹/ اگست کو ہو گا۔ ان شاء اللہ
● رزلٹ کے منتظر طلبہ بھی داخلے کے لئے درخواست بھیج سکتے ہیں۔
● بیرون لاہور کے طلبہ کے لئے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔

پرنسپل قرآن کالج' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن

solved on that platform", he proposed.

While commenting on a recent concept of pressure groups in Pakistan, Dr Israr ironically expressed his amazement, "I'm in favour of pressure groups but I'm yet unable to understand on what basis these groups are established. If these are established to exert pressure for the cause of Islam, they should clarify what kind of Islam they desire, what would be the situation of socio-economic, political system, family laws and social values in the current era?".

"The concept of independent states like USA and India should be introduced here", he suggested.

He lauded the efforts of MYC in minimizing sectarian differences, especially in bridging the differences between the Sunni and the Shia. However, he expressed his fears about the council that it might lose its creditability by indulging in politics.

While answering a question about army's political role in the past and present, he said, "It were political and religious leaders who produced chaos in the country and army had to interfere. The prime purpose of army is to defend the frontiers in an Islamic state".

While advocating the concept of 'Khilafat', he said, "We should the follow Islamic principles first and then struggle for the unconditional supremacy of Quran and Sunnah that are our destination".

He observed that in Pakistan, feudal's grip over key interests of the nation had caused a great setback to the development of the country. "How can it be abolished?", he said.

Dr Israr suggested to eradicate 'Fiqhi' differences, Fiqha of majority be implemented in the country. He cited the example of Iran where Shia Fiqha enjoys constitutional protection. He rejected any short-term solution to the problems of country. About the revolution process of Tanzeem-e-Islami, Dr Israr Ahmed said that it comprised invitation to faith, party or organization, training, passive resistance, active resistance and armed conflict which would be peaceful and non-violent. "Present system doesn't fulfil the requirements needed for an Islamic government but we will continue struggle till change in system", he concluded.

کس سے پوچھیں کون بتائے ؟

(سندھ کے حالات پر ایک تاثر)

حکیم سرو سہارنپوری

کچھ بتاؤ تو اے سندھ کے غازیو
اے مرے وطن کے شہریو! باسیو!

یہ سوالات ہر ذہن کا کرب ہیں — روح کا درد ہیں' قلب پہ ضرب ہیں
مال کس کا لٹا' خون کس کا بہا — کون زخمی ہوا' کس نے زخمی کیا
یہ سلگتے ہوئے بام و در کس کے ہیں — اجڑے اجڑے ہوئے سے یہ گھر کس کے ہیں
شہر و دیہات کس کے ہیں تم کون ہو — کس نے لوٹا ہے یہ کس کی میراث کو
کس کے کھیتوں کو ویرانیاں کھا گئیں — کس کے خرمن پہ یہ بجلیاں چھا گئیں
ہسپتالوں سے اٹھتا ہوا یہ دھواں — یہ شکستہ مساجد ' یہ ویرانیاں
کاخ و ایواں پہ چھائی ہوئی تیرگی — جھونپڑوں میں در آئی ہوئی تیرگی
یہ جواں اپنے خوں میں نہائے ہوئے — گولیاں اپنے سینوں پہ کھائے ہوئے
پھول عارض کے کملا گئے دیکھنا — ہائے کیا چاند گہنا گئے دیکھنا
خاک پر کیسے کیسے ستارے گرے — دھول بن بن کے کیا ماہ پارے گرے
کس کے بچوں کو یہ کس نے تڑپا دیا — قطرے قطرے کو پانی کے ترسا دیا
بیٹیاں کس کی یہ بے ردا ہو گئیں — پتیاں شاخِ گل سے جدا ہو گئیں
کتنی مانگوں میں اب خاک ہے دھول ہے — کس سے پوچھے کوئی کس کی یہ بھول ہے
یہ چتائیں سہاگوں کی جلتی ہوئیں — آرزوئیں کراہوں میں ڈھلتی ہوئیں
سرخ شعلوں کی بس اتنی ہی ساکھ ہے — آج حدِ نظر راکھ ہی راکھ ہے
چہرے چہرے پہ خاکِ قضا مل گئی — ہائے کیا آگ ہے زندگی جل گئی
یک بیک ایک محشر بپا ہو گیا — دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا
مارنے والو! یہ کیسے طوفان ہیں — مرنے والے بھی آخر مسلمان ہیں

کچھ بتاؤ تو اے سندھ کے غازیو
اے مرے وطن کے شہریو! باسیو
کچھ کہو کون کس پر خفا ہو گیا
سندھ کے بھائیو! تم کو کیا ہو گیا

(بشکریہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور' ۲۹ جون ۹۵ء)

روز نامہ "دی نیوز انٹرنیشنل" میں ۲۰ جولائی کو چھپنے والا امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا انٹرویو

The News International, Thursday, July 20, 1995

Dr Israr backs separate province for Mohajirs

From Aqueel Akram

DASKA: While the looming shadows of disunity and chaos are prolonging in the country, it's a matter of luck that we have some talented religio-political scholars like Dr Israr Ahmed, amir of Tanzeem-e-Islami and a strong advocate of Khilafat.

Some days earlier, 'The News' contacted him and he expressed his views on a variety of subjects.

One can trace in the views of Dr Israr about the Karachi issue the same strain of anxiety that any patriotic Pakistani feels. In a sorrowful voice, he presented the solution to the problem. "By dividing country into 12 provinces— five in Punjab, three in Sindh and two each in NWFP and Blochistan with a population of 10 million each, Pakistan can be saved", he said.

He fully supported the demand of an Urdu speaking (Mohajirs) province because they enjoy the confidence of a tremendous majority of the Karachiites.

Dr Israr lamented the grouping of nation on communal and linguistic basis as that was against the Islamic concept of brotherhood. Such divisions had given rise to serious issues.

He emphatically asked the government why the provinces constituted by British were so sacred. In his peculiar logical tone, he propounded his theory by bringing into light the example of East Punjab which had been later on divided into Himachul Pradesh, Haryana and Punjab.

To a query about the government-MQM dialogues, he said being a popular party, it was vital to bring them on dialogue table. 'I'm not in a position to say whether the cases against Altaf Hussain and his men were just and legal or merely politically motivated?

He fully supported Dr Naseem Hassan Shah's proposal to form a judicial board to investigate the nature of the offences against MQM. "If the investigations reveal the seriousness of the cases, then Altaf should be presented in the court".

Answering a question whether a foreign hand is responsible for the Karachi crisis, Dr Israr Ahmed said, "No doubt, foreign agencies are involved in the Karachi situation, to such an extent that even the division of provinces may not produce the desired results".

While differentiating the present crisis in Karachi and the situation of East Pakistan, he said that the only difference was in the geographical location of both areas. In Karachi, the government could mobilize its forces more easily because the city was attached to the other parts of the country.

Dr Israr, being a real scholar, also keeps a vigilant eye on politics around the world. Analysing the international situation, he said, "After the disintegration of USSR, America is a super power for the time being. Americans are in the position to determine the global socio-economic and political orders. They have formulated the New World Order for the same purpose. For the effective implementation of this order, they require financial assistance of the Jews. As a result, America has become a puppet in the hands of the Jews".

Expressing his grievance over the situation of Arab countries, he said, "Jews have fully captured the Arabs economically and politically, and nothing positive can be expected from them. The only ray of hope lay in the Asian block that includes states of Central Asia, Pakistan, Afghanistan, Iran and Turkey. These countries should have economic relations with China and India".

Talking about the Kashmir issue, Dr Israr traced the history of the problem. He termed it as a product of a colonial conspiracy. He blamed America for keeping the issue unsolved for USA wanted another Israel in the area. Dr Israr vehemently rejected its solution through UNO and America and proposed that it should be solved by the good offices of China and Iran.

Defending one of the most contradictory beliefs of his party, about Jehad in Kashmir, he said, "We actually don't support government strategy. I think that the problem should be settled through political process, that is the mass popular movement". He philosophically propounded this theory, "If a big procession is taken out and few are martyred as a result of firing by the Indian armed forces, it may produce better results".

He further said that on one occasion when Indra Gandhi dissolved the governments of Andrapardesh and Kashmir, 200,000 people from Andrapardesh rushed to Delhi and surrounded the federal secretariat in favour of their demands. Indra had to bow to their demands. Contrary to this, Farooq Abdullah achieved nothing when he ignored this strategy.

About Milli Yakjehti Council, Dr Israr Ahmed said if it restricted to its non-political objectives, it would be successful. It had achieved good results like the eradication of sectarianism for the time being. "And if it diverts towards political involvement, then I don't expect good results from its future", he claimed.

"The process of reconciliation which was suspended after Ulema's settlement on 22-points in early 50's should be restarted and the problem of Shia-Sunni conflict be

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

مختلف قومیتوں کا "جن" بوتل سے باہر آچکا ہے

"اصولی طور پر پوری دنیا کے انسان کنبے کی مانند ایک وحدت ہیں"

صوبوں کی تشکیلِ نو جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی عوامل کے مطابق ہونی چاہئے

28/ جولائی 95ء کو امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ

اسلام کو نافذ نہ کرنے کی وجہ سے مختلف قومیتوں کا جن بوتل سے باہر آچکا ہے جسے ہم تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اگر قومیتوں کے وجود کو تسلیم نہ کیا گیا تو وہ خود اپنے وجود کو تسلیم کرالیں گی جیسے ۷۱ء میں بنگالی مسلمانوں نے اپنے آپ کو تسلیم کرا لیا تھا۔ جبکہ اب مہاجر قومیت نے بھی اپنے وجود کو تسلیم کرا لیا ہے۔ امیر تنظیم و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ نظریہ پاکستان کا تصور صرف ہمارے ذہنوں میں موجود ہے جبکہ اس کا خارج میں کہیں وجود نہیں ہے۔ اسلام کا آئیڈیل نظریہ تو یہ ہے کہ وہ دینی حمیت کا غلبہ چاہتا ہے تاکہ ہر قسم کی لسانی' ثقافتی اور جغرافیائی عصبیتیں اس کے زیر سایہ آجائیں' ان عوامل کی کلی نفی کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ یہ عصبیتیں نہ پہلے ختم ہوئی ہیں اور نہ اب ہوں گی اور نہ انکا خاتمہ اسلام کے پیش نظر ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا اسلام اور نظریہ پاکستان کے حوالے سے لوگوں کے حقوق چھیننا نظریہ پاکستان پر خود کلہاڑا چلانے کے مترادف ہے۔ مشرقی پاکستان کے مسلمان ہم سے زیادہ مذہبی مزاج کے حامل تھے مگر جب حقوق کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے ہم سے اپنا راستہ الگ کر لیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا صوبائی عصبیت کی لعنت کے خاتمے اور عوام کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک جامع پیکج ڈیل کے ذریعے چھوٹے صوبے تشکیل دیئے جائیں۔ ہر صوبہ ایک کروڑ کی آبادی پر مشتمل ہونا چاہئے۔ صوبوں کی تشکیل نو کے وقت جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی عوامل کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ انہوں نے کہا چھوٹے صوبے بنانے کی تجویز کا کراچی کے مخصوص حالات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اب حالات کی وجہ سے یہ تجویز اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا چھوٹے صوبے بنانے کی تجویز صرف میں نے ہی پیش نہیں بلکہ انصاری کمیشن کی مرتب کردہ دستوری سفارشات میں بھی ۱۷ صوبوں کا ذکر موجود ہے جسے ضیاء الحق مرحوم کی تائید بھی حاصل تھی۔ اب ملک کے دانشور اور سیاسی قائدین بھی اس تجویز کی حمایت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا عصبیت' حمیت اور محبت کے جذبات کی اپنی اہمیت اور مقام ہے اور ان تمام عوامل کو ان کا جائز مقام دیا جانا چاہئے۔ یہ تصورات اسلام کی حدود کے اندر رہیں تو انہیں درست سمجھا جائے گا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا پوری دنیا کے انسان اللہ کے کنبے کی مانند ایک وحدت ہیں اور اسلام قانونی اور دستوری سطح پر مسلم اور غیر مسلم' اور انفرادی فضیلت کے اعتبار سے متقی اور غیر متقی کے علاوہ کسی علاقائی' نسلی اور ثقافتی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا اسلامی دنیا کے نام سے مسلمان ممالک کے مابین سرحدوں کی موجودہ مصنوعی لکیریں غیر اسلامی تصور کی عکاس ہیں۔ ایک امت کی بجائے مسلمان اقوام کا وجود اسلام کے وحدت ملی کے تصور کی ضد ہے۔ اس صدی کے آغاز تک دنیا کے ہر خطے میں بسنے والا مسلمان ایک عالمی اسلامی ریاست کا انٹرنیشنل شہری سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا پاکستان اور افغانستان کے درمیان موجود ڈیورنڈ لائن بھی اغیار کی کھینچی ہوئی لکیر ہے جو بالآخر پاک افغان اتحاد کے نتیجے میں مٹ کر رہے گی۔

شرم "ہم" کو مگر نہیں آتی !!

ماریہ سٹولز' کیلیفورنیا

بوسنیا میں ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے جا رہے ہیں انہیں دیکھ کر نیورمبرگ مقدمات کی شہرت کی کوئی حیثیت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ میں ایک امریکی شہری یہودی عورت ہوں' اور ایک ماں ہونے کے ناطے میرے جذبات یہ ہیں کہ میرا بیٹا بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کے خلاف لڑتا ہوا مارا جائے' بجائے اس کے کہ وہ خلیج کے تیل کے کنوؤں کے لئے اپنی زندگی تج دے۔

(بشکریہ نیوز ویک' جولائی ۱۰' ۱۹۹۵ء)